احیائے اسلام اور امنِ عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی
زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

جلد 21 شمارہ 2 محرم / صفر ۱۴۲۷ھ فروری 2007ء

حسنِ ترتیب

حمد و نعت		2
اداریہ	چیف ایڈیٹر	5
القرآن	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	7
الحدیث	علامہ معراج الاسلام	14
صحیح البخاری کی روشنی میں مختلف اعتقادی موضوعات کی وضاحت	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	22
شیخ الاسلام کی حدیثِ نبوی ﷺ کی ترویج میں نمایاں خدمات	ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری	33
تفسیر منہاج القرآن، عصری مسائل اور تقاضوں کے تناظر میں ایک مطالعہ	ڈاکٹر طاہر حمید تنولی	47
دبستانِ خطابت	حافظ شکیل احمد طاہر	52
''سیرت الرسول'' کا امتیازی مقام	ممتاز اعوان	55
تحریکی سرگرمیاں		83

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری

ایڈیٹر
محمد سلیم دانش

ڈپٹی ایڈیٹر
محمد یوسف

مجلس مشاورت
ڈاکٹر رحیق احمد عباسی
ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
ڈاکٹر محمد شاہد محمود
شاہد لطیف، داؤد حسین مشہدی
نجم الثاقب، سید فرحت حسین شاہ

انچارج پرنٹنگ: شوکت علی قادری
گرافکس: محمد الیاس القادری، محمد اکرم قادری
ترسیل مینجر: محمد سلیم اعوان
کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
عکاسی: جمیل احمد شیخ

www.minhaj.info Info@minhaj.info

ترسیلِ زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 1457-51 حبیب بینک منہاج القرآن برانچ 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان فون UAN: 111-140-140 فیکس 5168184

قیمت خصوصی شمارہ: 20 روپے
سالانہ زرِ تعاون: 150 روپے

بدل اشتراک: مشرق وسطیٰ جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

طابع: میاں مظفر احمد، ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز، ادارہ منہاج القرآن 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

تیرے غم میں جو نہ گزرے بے کار زندگی ہے
تجھے یاد کرتے رہنا یہی شان بندگی ہے

اے مرے کریم مجھ پر بھی کرم نوازیاں ہوں
کہ تیرے کرم کا چرچا گھر گھر گلی گلی ہے

عرب و عجم کے والی میں نہ جاؤں در سے خالی
ترے در پہ جو بھی آیا اسے ہر خوشی ملی ہے

ترے رخ پہ کیا سجے ہیں یہ تجلیوں کے سہرے
جو ہے رونق دو عالم ترا حسن سرمدی ہے

شب غم کے گیسوؤں نے مجھ پر کیا تھا سایہ
ترا نام لب پہ آیا تو مری شام غم ٹلی ہے

دامن سجا کے جائیں اشکوں کے موتیوں سے
دربار مصطفیٰ میں جس جس کی حاضری ہے

ہیں یہ نام مصطفیٰ کی سبھی عزتیں نیازی
ورنہ ترے جہاں میں اچھوں کی کیا کمی ہے

(عبدالستار خان نیازی)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تخلیقِ حسن و عشق کی ہے دلکشی درود
اس پوری کائنات کی ہے روشنی درود
خوشبو کا پیرہن اسے دیتی ہیں تتلیاں
پڑھتی ہے جب بھی شاخِ ثنا پر کلی درود
میرا خدا، خدا کے فرشتے، بشر تمام
بھیجیں مرے حضورؐ پہ مل کر سبھی درود
میری دعا کو اپنے پروں میں سمیٹ کر
جائے گا آسماں کی طرف آج بھی درود
خوشنودیٔ رسول معظمؐ کے واسطے
آلِ رسولِ پاک پہ پڑھئے ابھی درود
بنیاد ہے درود ہی نعتِ حضورؐ کی
لاریب اُنؐ کی نعت کی ہے شاعری درود
کیوں ہم حصارِ رحمتِ آقاؐ میں لیں نہ سانس
دراصل ہم غلاموں کی ہے زندگی درود
اُنؐ کی حدیثِ پاک سے چنتے رہو علوم
حکمت کے سائباں میں ہے ہر آگہی درود
پہلے فلک سے آئے گا پروانۂ نجات
بھیجوں گا جب حضورؐ پہ میں آخری درود
جگنو لحد میں بھی ہیں درود و سلام کے
مرنے کے بعد بھی نہیں بھولا کبھی درود
تصویرِ احترام کی بن کر کھڑا رہوں
روضے کے سامنے ہو مری خامشی درود
میرا قلم بھی صورتِ توصیفِ مصطفیٰؐ
لوحِ ادب پہ لکھتا رہے ہر گھڑی درود
رہتا ہے عافیت کے جزیروں میں وہ ریاضؔ
ہر ابتلا میں پڑھتا ہے جو آدمی درود

(ریاض حسین چودھری)

Scanned with CamScanner

القرآن

موت و حیات کی حقیقت اور مرحلہ قبر کی تیاری

(گزشتہ سے پیوستہ)

شہر اعتکاف سے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا تیسرا خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف (منہاجین)

گزشتہ قسط کا خلاصہ: ہر ایک شخص کی موت اصل میں اس کی قیامت ہے۔ یہ خیال ذہن میں نہ آئے کہ موت فناء ہونے کا نام ہے کیونکہ اگر موت فناء ہوجانا ہوتا تو اس کے بعد عذاب وثواب نہ ہوتا۔ پس موت ایک لمحہ انتقال ہے اور عارضی شے ہے، آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ اس کے فوری بعد حیات برزخی شروع ہو جاتی ہے اور اسی حیات برزخی سے ہی آخرت و قیامت کے احوال شروع ہوجاتے ہیں۔ موت کو اللہ نے ذائقہ سے تعبیر کیا ہے اور زندگی کو ابتلاء و آزمائش قرار دیا ہے۔ موت، ملاقات کا نام ہے، یہ وہ دروازۂ ملاقات ہے کہ جس کے پردے اٹھ جانے کے بعد اللہ کا دیدار نصیب ہوگا۔ موت، انسان پر چھائے ہوئے غفلت کے پردے چاک کردیتی ہے۔ قبر ہر روز ہمیں دنیاوی زندگی میں تیاری اور نیک اعمال کے حوالے سے ندائیں دیتی ہے مگر افسوس کہ ہم اس کی آواز کو سنتے ہی نہیں۔ ہم اس زندگی کو دائمی حیات سمجھ بیٹھے ہیں اسی لئے سب کچھ دنیا ہی کے لئے کرتے ہیں، جب وہاں کی زندگی کی طوالت کو دیکھیں گے جس کا ایک دن یہاں کے 50 ہزار سال کے برابر ہوگا تو پھر ہمارا پردہ اُٹھے گا مگر اس وقت ان پردوں کا چاک ہونا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ جب موت یہ پردے اُٹھائے گی تو اس وقت مزید مہلت نہ ملے گی اور قبر ہی سے حساب و کتاب شروع ہو جائے گا۔ قبر، یوم الدین، یوم جزاء وسزا کا پہلا مرحلہ ہے۔

بدلی ہوئی زندگی کس طرح کام آئے گی؟

احوال القیامہ میں سے مشکل گھڑی یعنی قبر میں آج کا کیا ہوا نیک عمل، اعمال صالحہ کیا کام آئیں گے؟ بدلی ہوئی زندگی انسان کے کس طرح کام آئے گی اس چیز کو سمجھنے کے لئے درج ذیل حدیث مبارکہ ہمیں روشنی فراہم کرتی ہے۔

ابن ابی شیبہ، طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی نے بھی اسے روایت کیا صحیح ابن حبان، جلد ۷، ص ۳۸۰، حدیث ۳۱۱۳ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّهٗ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِ اَنَّهٗ یَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ حِیْنَ یَوَلُّوْن.

”اس رب کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جب میت قبر میں رکھ دی جائی گی تو میت واپس پلٹنے والوں کے جوتوں کی آواز بھی سنے گی“۔

وَاِذَا کَانَ مُؤْمِنًا. ”اگر وہ سچا مومن بن گیا تھا“ کَانَتِ الصَّلَاۃُ عِنْدَ الرَّاسِہٖ. ”نماز میت کے سر کی طرف آکر کھڑی ہوجائے گی“۔

لوگو! کثرت سے سجدے کرو، حضرت ربیعہ بن کعب کو بھی حضور ﷺ نے جنت اور جنت میں رفاقت دینے کی

ضمانت دے کر کثرت سجود کی تلقین کی تھی، فرائض کے علاوہ دیگر عبادات بھی کیا کرو۔ انسان نے پوری زندگی میں جتنی نمازیں پڑھی ہوں گی وہ تمام اس انسان کی محافظ بن کر اس کے سرہانے کھڑی ہوں گی۔

وَالزَّكٰوةُ عَنْ يَمِيْنِهٖ ''اور زکوٰۃ اس کے دائیں طرف ہوگی''

آج لوگ زکوٰۃ دینے کے وقت مختلف شقیں نکال کر کم سے کم دینے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ آخرت کی نجات کے لئے زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا کام آنا ہے۔

وَالصَّوْمُ عَنْ شِمَالِهٖ. ''روزہ اس کے بائیں جانب محافظ بن کر کھڑا ہوجائے گا''۔

وَالْفِعْلُ الْخَيْرَاتِ وَالْمَعْرُوْفُ وَالْاِحْسَانُ اِلَى النَّاسِ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ.

''اور نیکیاں، بھلائی کے کام اور لوگوں کے ساتھ کئے گئے احسان اس کے پاؤں کی طرف محافظ بن کر کھڑے ہوں گے''۔

زندگی میں نماز اور عبادت کی کثرت کریں۔۔۔ خیرات وحسنات کی کثرت کریں۔۔۔ صدقہ وخیرات، روزہ، قیام لیل، آنسو، سجود کی کثرت کریں۔۔۔ لوگوں پر بھلائی اور احسان کی کثرت کریں۔۔۔ یوں بدل جائیں کہ آپ کا وجود سراپا خیر بن جائے۔۔۔ جب ہم میت بنیں گے تو چاروں طرف سے یہ نیک اعمال، حسنات، خیرات ہمارے محافظ بن کر ہمیں گھیرے میں لے لیں گے۔۔۔۔ ''اس کے بعد فرشتے حساب وکتاب لینے آئیں گے، جب وہ سر کی طرف آئیں گے تو نماز کھڑی ہوجائے گی اور کہے گی کہ اس طرف سے آنے کا کوئی راستہ نہیں''۔۔۔

کیا ہم بھی نماز سے دور بھاگتے ہیں، جس نے ہمیں اتنا کچھ دینا ہے کہ فرشتوں کو حساب وکتاب کے لئے آنے سے روک دے گی۔ لَيْسَ مِنْ قِبَلِ مَدْخَلٌ. ''اس طرف سے راستہ نہیں''۔

''پھر وہ دائیں طرف سے جانا چاہیں گے تو خیرات وزکوٰۃ، صدقات کھڑے ہوجائیں گے۔۔۔ ملائکہ بائیں جانب سے آنا چاہیں گے تو روزے کھڑے ہوجائیں گے اور کہیں گے یہاں سے بھی راستہ نہیں''۔

ان اعمال کو ساری توفیق اللہ نے دی کہ وہ فرشتوں کو بھی روک دیں گے۔ وہ اللہ جسے ہم بھولے ہوئے ہیں۔

''فرشتے بالآخر قدموں کی طرف سے آنا چاہیں گے تو سارے اعمال خیر اور احسان کھڑے ہوجائیں گے اور کہیں گے کہ ادھر سے بھی راستہ نہیں۔ پھر اس میت کو فرشتے کہیں گے کہ ہمیں تمہارے اعمال آنے نہیں دیتے، ہم نے تم سے کچھ چیزیں پوچھنی ہیں۔۔۔ اس لئے اب تو ہی بیٹھ جا۔۔۔ مومن اٹھ کر بیٹھ جائے گا''۔

یہاں تک اعمال صالحہ کا کردار تھا۔۔۔ جب مومن اٹھ کر بیٹھے گا تو ''اچانک اسے دکھایا جائے گا کہ عصر کا وقت ڈھل رہا ہے اور سورج غروب کے قریب ہے۔ میت کہے گی فرشتو ذرا ٹھہر جاؤ میں نماز عصر ادا کرلوں۔۔۔

زندگی ساری اس راہ میں گزری ہوگی تب ہی وہ اس کی فکر کرے گا اور اگر زندگی میں بھی سورج غروب ہوتے دیکھتا تھا اور فکر نہ تھی تو قبر میں کیسے فکر ہوگی پھر اسے کہا جائے گا کہ

اِنَّكَ سَتَفْعَلُ فَاَخْبِرْنَا عَمَّا نَسْئَلُكَ. ''تم نماز پڑھ لینا ہمیں چند سوالوں کے جواب دے دو''۔

یہ اس شخص کے لئے ہے جس نے وفاداری کے ساتھ زندگی بسر کی ہوگی۔

فَيَقُوْلُ اَمَّا تَسْئَلُنِىْ. ''مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو''۔

وہ کہیں گے کہ ہم آئے تو تین سوال پوچھنے تھے مگر اب آخری سوال ہی پوچھیں گے اور وہ یہ کہ

مَاتَقُوْلُ فِىْ هٰذَا الرَّجُل ''اس شخص کے بارے میں کیا کہا کرتے تھے''۔

اور اس موقع پر اسے زیارت رسول ﷺ سے مشرف کیا جائے گا۔

فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ. ''وہ کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں''۔

Scanned with CamScanner

''یہ ہماری طرف ہمارے رب کی طرف سے دلائل، معجزات، آیات لے کر تشریف لائے، ہم نے ان کی تصدیق کی اور ہم نے ان کی اتباع کی''۔۔۔ یہ کہنے کی توفیق اسی کو ہوگی جو یہ اعمال کر کے جائے گا۔
''فرشتے جواب دیں گے تو نے سچ کہا، اسی سچائی پر تو زندہ تھا اسی سچائی پر تیری موت ہوئی، اسی سچائی پر قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔ پھر حکم آئے گا کہ ''جہاں تک اس کی نگاہ جاتی ہے اس کی قبر کھول دو۔۔۔ پھر کہا جائے گا کہ دوزخ کی طرف ایک دروازہ کھول دو تاکہ دروازے میں سے دوزخ دیکھے۔۔۔ پس دوزخ کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جائے گا۔۔۔ اسے کہا جائے گا اگر تو نے اللہ کی نافرمانی کی ہوتی تو یہ تمہارا گھر تھا۔۔۔ اگر زندگی غفلت میں گزاری ہوتی، نافرمانی میں گزاری ہوتی، صالحات کا سامان ساتھ لے کر نہ آیا ہوتا۔۔۔ اگر حضور ﷺ کی سچی غلامی نہ کی ہوتی، خود کو بدلا نہ ہوتا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دھوکہ کیا ہوتا تو پھر یہ تمہارا گھر تھا، اب نہیں۔۔۔ پھر حکم دیا جائے گا کہ اب جنت کی طرف ایک دراوزہ کھول دو۔۔۔ دروازہ کھول دیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا یہ تیرا گھر ہے اس کے علاوہ بھی اللہ نے تیرے لئے بہت کچھ تیار کر رکھا ہے۔ یہ مسرور ہوجائے گا پھر اس کا جسم مٹی پر لٹا دیا جائے گا۔۔۔ اور اس کی روح کو جنت میں بھیج دیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ یہ قبر تیرا ڈرائنگ روم ہے یہاں تو ملاقات اور سلام کرنے والوں کا جواب دینے کے لئے آیا کر مگر جنت تیری مستقل رہائش گاہ ہے۔

☆ امام ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔

اِذَا وُضِعَتِ الْمَيِّتُ فِیْ قَبْرِهٖ جَآءَتْ اَعْمَالُهُ الصَّالِحَه.

''جب میت کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس نے زندگی میں جتنے اعمال صالحہ کئے تھے وہ تمام اس کے اردگرد اکٹھے ہوجاتے ہیں''۔

اعمال صالحہ اس کے سر کی طرف آجائیں گے اور جآءت قراته القرآن ''جو اس نے عمر بھر تلاوت قرآن کی تھی وہ آجائے گی اور اس کے پاؤں کی طرف کھڑی ہوجائے گی۔ پھر اس کے قیام آجائیں گے اور اس کے سامنے کھڑے ہوجائیں گے۔

قیام کیا ہے؟ قیام محض کھڑے ہونے کا نام نہیں بلکہ مالک کے در پر منگتا بن کر کھڑے رہنا قیام کہلاتا ہے۔

سجود کیا ہے؟ مالک کے در پر گر پڑنا۔۔۔ کھڑا ہونا منگتے کی علامت ہے۔۔۔ سوال کی علامت ہے۔۔۔ اور ماتھے اور سر کے بل گر پڑنا ذلت کی علامت ہے۔۔۔ عبادت ذلت کی انتہا کو کہتے ہیں کہ آدمی سر اور جبین سمیت مالک کے سامنے گر پڑے۔۔۔ اس کے دیر تک کھڑے ہونے پر بھی مالک کو رحم آتا ہے اور اندازہ کریں کہ اس وقت اس مالک کے رحم کا کیا عالم ہوگا جب منگتا سر اور ماتھے کے بل گر پڑے۔۔۔ مالک کہتا ہے کہ جب منگتے کی یہ انتہا ہوتی ہے تو پھر خالی نہیں لوٹاتا۔۔۔ اس لئے حضور ﷺ نے حضرت ربیعہ بن کعب کو نصیحت کی کہ ''ربیعہ کثرت سے سجدے کرنا''۔

قبر میں اعمال صالحہ کے میت کے اردگرد کھڑے ہونے کے بعد صدقات و دعا بھی اس کے اردگرد آجاتے ہیں۔۔۔ اور جب فرشتے آتے ہیں تو یہ سارے بول اٹھتے ہیں کہ ہماری طرف سے راستہ نہیں ہے اور بعد ازاں جب وہ گزشتہ سطور میں درج حدیث مبارکہ کی رو سے کامیاب ہوجاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ ''اب سوجا اللہ تیرے بستر میں برکت عطا کرے'' پھر فرشتے اس کے اعمال صالحہ، قیام، سجود، صدقات و خیرات جن کو اللہ نے شکلیں دی ہیں کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ نِعْمَ الْاَخِلَّاءُ اِخِلَّاءُکَ کہ مبارک ہو تیرے دوست بڑے وفادار دوست ہیں۔

گویا اعمال صالحہ، روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج، صدقات اس دن ہمارے دوست بن جائیں گے۔۔۔ وَنِعْمَ اَصْحَابُ اَصْحَابُکَ ''اور تمہارے ساتھی بہت اچھے ساتھی ہیں''

Scanned with CamScanner

لوگو! ہم بھی دوستیاں بناتے ہیں، وہ دوستیاں اور ساتھ کس کام کے جنہوں نے قبر میں ساتھ نہیں آنا۔۔۔ سجدوں اعمال صالحہ، تقویٰ، حسن کردار، حسن خلق، دل کی نرمی، طبیعت کی فراخی کے ساتھ دوستی رکھو۔۔۔ سخاوت، سجدہ ریزی، معاف کرنے، عبادات، حسن معاملات کے ساتھ دوستی رکھو۔۔۔ ہماری دنیاوی دوستیوں میں خیانت، غیبت، چغلی، شکایت، حسد، بغض، عناد، عداوت ہے۔۔۔ یہ دوستیاں اور رشتہ داریاں کس کام کی ہیں۔ جب مل بیٹھتے ہیں تو غیبتیں، چغلیاں، حق تلفیاں، غصہ ہوتا ہے۔۔۔ ایسی دوستیوں اور رشتہ داریوں پر لعنت ہے جو قبر میں کام نہ آسکیں۔

عقیدہ صحیحہ کے ساتھ ساتھ اعمال کی مضبوطی بھی درکار ہے

ہائے افسوس! ہم ان تمام نیک اعمال سے بے خبر ہیں۔۔۔ میں نے 81ء سے آج تک ہر پلیٹ فارم سے اسی بات کی تاکید کی ہے کہ ربط رسالت ﷺ قائم ہو۔۔۔ حضور ﷺ کی قدر و منزلت کی معرفت امت کو نصیب ہو، عقیدہ رسالت ﷺ میں درستگی ہو۔۔۔ آقا ﷺ کی شان معرفت ہو، حضور ﷺ سے عشق و محبت کریں۔۔۔ تعظیم و تکریم، ادب کریں، حضور ﷺ کی نسبتوں کا بھی ادب کریں۔

میں نے 25 سال درستگی عقیدہ پر محنت کی اور اس کے خاطر خواہ نتائج الحمدللہ سامنے آئے اور آرہے ہیں۔۔۔ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ عقیدہ کے حوالے سے تو ہم مضبوط ہیں مگر اعمال کے حوالے سے کمزور ہیں۔۔۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے پوری زندگی عمل پر محنت کی مگر عقیدہ خراب کر بیٹھے۔۔۔ حضور ﷺ سے اعتقاد کا تعلق بھلا بیٹھے۔۔۔ ہم نے اعتقاد پر محنت کی اور عمل کمزور کر بیٹھے۔۔۔ ہر کوئی توسل کا یہ مطلب نکال بیٹھا ہے کہ بیڑا پار ہوجائے گا۔۔۔ ہم صرف توسل اور شفاعت ہی جانتے ہیں اور دین کی کچھ اور چیز نہ سمجھنے کو تیار ہیں نہ سننے کو تیار ہیں۔۔۔ میں نے 25 سال عقائد پر دلائل دیئے۔۔۔ معترضین کے اعتراضات کے جوابات دیئے۔۔۔ اور اس حوالے سے اللہ کی توفیق اور حضور ﷺ کے نعلین پاک کے صدقے منکرین کے منہ بند کردیئے۔۔۔ مگر اب میں آپ کو اعمال کی طرف متوجہ کررہا ہوں۔۔۔ اس لئے کہ یہ نہ ہو کہ ہم حضور ﷺ کے سامنے شرمسار ہوجائیں کہ ایک پہلو تو ہمارا خیر سے بھرا ہوا ہو اور دوسرا پہلو خالی ہو۔۔۔ حضور ﷺ فرمائیں کہ تم عقیدہ تو اچھا لے کر آئے ہو مگر اعمال کی طرف سے کمزور ہو۔ پس اب آپ کو اعمال کی کثرت کی جانب متوجہ کررہا ہوں اس لئے کہ سچے غلام وہ ہوتے ہیں جو محبت بھی کرتے ہیں اور تعمیل بھی کرتے ہیں۔۔۔ جو عشق بھی کرتے ہیں، قربان بھی ہوتے ہیں اور روزمرہ زندگی میں حکم کی تعمیل بھی کرتے ہیں۔۔۔ عمل کی زندگی میں انکار، بغاوت اور نافرمانی رہے اور جب قربان ہونے کا وقت آئے تو عاشق بن جائیں۔۔۔ تو یہ وفاداروں کا شیوہ نہیں ہے۔۔۔ پس سچے وفادار بنیں۔۔۔ اللہ کی بندگی، حضور ﷺ کی غلامی میں سچے وفادار بنیں۔

خدارا! بدل جاؤ۔۔۔ دوستیوں کے معیار بدل دو۔۔۔ تعلقات کے پیمانے بدل دو۔۔۔ یہ وقت کب آئے گا؟۔۔۔ پرانے وقتوں میں لوگوں کو مختلف چیزوں درختوں، آسمان، پتھروں، شراب خانوں سے آوازیں آتی تھیں مثلاً حضرت فضیل کو مہ خانہ میں آواز آتی ہے کہ فضیل تیرے بدلنے کا وقت کب آئے گا۔۔۔ راستے آواز دیتے تھے کہ حبیب عجمی تیرے رب کی طرف چل پڑنے کا وقت کب آئے گا۔۔۔ بشر حافی تیرے بدلنے کا وقت کب آئے گا۔۔۔ گویا اس طرح کی آوازیں آجاتی تھیں۔۔۔ آوازیں تو اب بھی آرہی ہیں مگر سننے کے لئے کان چاہئیں۔۔۔ ایسے کان پیدا کرو جوان آوازوں کو سن سکے۔ ہماری غفلت کے پردے اٹھنے کا وقت کب آئے گا۔۔۔ راتوں کے سجدے شروع کرنے کا وقت کب آئے گا۔۔۔ لوگوں کو معاف کردینے کے عمل کا وقت کب آئے گا۔۔۔ دل اور نفس کی سخاوت کا آغاز کب ہوگا۔۔۔ وقت گزر رہا ہے، زندگی کا سورج غروب کے قریب ہے۔۔۔ اگر موت کا جھٹکا لگ گیا تو پھر مہلت نہ ملے گی۔۔۔ ہم ایسے

دوستوں پر محنت کرتے ہیں جنہوں نے قبر تک ہمیں چھوڑ کر واپس آ جانا ہے۔۔۔ اور ہم ان کے واپس پلٹنے کی آواز ہی سنتے رہ جائیں گے۔۔۔ آؤ آج سے ان دوستوں کا آغاز کریں جو قبر میں اندر ساتھ جائیں گے۔۔۔

حضرت شقیق بلخیؒ اور قبر کی تیاری

حضرت شقیق بلخی (حضرت جعفر صادق کے زمانے کے بزرگ ہیں) سے پوچھا گیا کہ بتائیں کہ قبر کی تاریکی آواز دیتی ہے کہ میں اندھیری کوٹھڑی ہوں روشنی کا بندوبست کر کے آ۔۔۔ قبر کی روشنی کیسے لے جائیں؟ فرمایا:

طَلَبْنَا ضِيَاءَ الْقُبُوْرِ فَوَجَدْ نَاهُ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ. ''ہم نے قبر کی روشنی کو راتوں کے قیام میں پایا''۔

قبر کی روشنی تہجد، رات کے نفلوں، شب بیداری میں ہے۔ رات کا جاگنا قبر میں نور دیتا ہے۔

طَلَبْنَا جَوَابَ مُنْكَرَ وَالنَّكِيرِ. ''ہم نے منکر نکیر کے جواب کے بارے پوچھا'' فرمایا

فَوَجَدْنَاهُ فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآن. ''ہم نے اسے قرآن کی تلاوت میں پایا''۔

طَلَبْنَا اَمُوْرِ الصراط. ''ہم نے پل صراط کے امور کے متعلق پوچھا کہ کیسے عبور کریں گے'' فرمایا

فَوَجَدْنَاهُ فِي الصَّوْمِ وَالصَّدَقَه ''اس کو ہم نے روزوں اور صدقات و خیرات میں پایا''۔

طَلَبْنَا ظِلَّ الْعَرْش ''ہم نے عرش کے سائے کے حصول کے متعلق پوچھا'' فرمایا

فَوَجَدْنَاهُ فِي الْخَلْوَة ''اس کو ہم نے (اعتکاف اور) تنہائی میں پایا''۔

درود و سلام، معرفتِ مصطفیٰ ﷺ کا باعث

اعمال صالحہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات و خیرات سے بھی بڑھ کر ایک اور عمل دوست کی حیثیت سے قبر میں ہمارا محافظ بنے گا اور وہ عمل حضور ﷺ پر کثرت کے ساتھ درود و سلام بھیجنا ہے۔ بقیہ اعمال نے تو فرشتوں کو قریب آنے سے روکنا ہے اور اس عمل نے اس سوال مَاتَقُوْلُ فِيْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُل (اس شخصیت کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا) کا جواب ہمیں عطا کرنا ہے۔۔۔ یعنی معرفت مصطفیٰ ﷺ ہمیں عطا کرنی ہے کہ جب حضور ﷺ ہمارے سامنے ہوں گے تو یہ عمل ہمیں حضور ﷺ کو پہچاننے میں معاونت کرے گا۔۔۔ ذرا سوچئے! اس شخص کا کیا حال ہوگا کہ جس کے پاس اس عمل درود و سلام کی قلت ہوگی۔۔۔ عشق و محبت مصطفیٰ ﷺ کی کمی ہوگی اور وہ قبر میں حضور ﷺ کی پہچان نہ سکے گا۔

گوشہ درود کے قیام کا مقصد

تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام گوشہ درود کا قیام اسی دوستی کو پیدا کرنے کی طرف ایک قدم ہے۔۔۔ جو شخص کثرت سے حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھتا ہوگا۔۔۔ جب چہرہ مصطفیٰ ﷺ سامنے ہوگا اور ہر کوئی خاموش کھڑا ہوکر اس کے جواب کا انتظار کر رہا ہوگا تو اس وقت حضور ﷺ کی پہچان کرانے میں درود و سلام کام آئے گا۔

پس گوشہ درود کے اندر سب چیزوں کو یکجا کر دیا گیا ہے گوشہ درود میں 10 کے لئے آنے والے احباب 10 دن روزے سے ہوتے ہیں۔۔۔ فرائض نماز کے ساتھ ساتھ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین اور قرآن پڑھتے ہیں۔۔۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تسلسل کے ساتھ 24 گھنٹے حضور ﷺ کی ذات مبارکہ پر درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔۔۔ ہر عمل اپنا کردار ادا کرے گا مگر جب چہرہ مصطفیٰ ﷺ کے دیدار کا وقت آئے گا تو یہ درود و سلام کام آئے گا۔۔۔ یہاں ایک اور بات عرض کردوں جو لوگوں کے احوال میں ہوئی بھی ہے، اکابر اولیاء کے ساتھ بیتی، ان کی وفات کے بعد کسی نے خواب

میں ان سے پوچھا کہ کونسا عمل کام آیا؟ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ پر درود وسلام پڑھنا کام آ گیا۔

گوشہ درود میں حاضری سے حضور ﷺ سے شناسائی پیدا ہوگی۔۔۔ کیونکہ درود وسلام حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔۔۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ فرشتے نام، والدین کا نام، علاقہ، محلّہ تک بتا کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں درود وسلام پیش کرتے ہیں کہ فلاں آدمی نے درود وسلام بھیجا ہے۔۔۔ قبر میں جب حضور ﷺ کے بارے سوال کیا جائے گا کہ یہ کون ہے؟ تو اس موقع پر درود وسلام کی کثرت کی وجہ سے کچھ بعید نہیں کہ ایسا تعلق پیدا ہوچکا ہو کہ حضور ﷺ فرمائیں فرشتو اس سے نہ پوچھو بلکہ مجھ سے پوچھو کہ یہ کون ہے؟

پس تحریک منہاج القرآن کے رفقاء و وابستگان، محبین اور جملہ قارئین! اپنے سالانہ شیڈول میں سے گوشہ درود کے لئے بھی وقت نکالیں اور 10 دن حضور ﷺ سے تعلق جوڑنے کے لئے منت سماجت کریں تاکہ قبر میں پہچان و معرفت ہوجائے۔۔۔ اور اس دوران دعا کرتے رہیں کہ حضور ﷺ میں اس قابل نہیں کہ قبر میں آپ کو پہچان سکوں۔۔۔ حضور ﷺ جب پہچان کا وہ وقت آئے تو اس نوکر، خادم کو آپ خود ہی پہچان لینا اور اس غلام کو بچالینا۔

اس تمام گفتگو کا لب لباب یہ ہے کہ آپ لوگ خود کو بدل ڈالیں۔۔۔ مکمل تبدیل ہونے کے پختہ عزم و ارادہ کا عہد کریں۔۔۔ کہ مولا بدلنے کا ارادہ کرلیا ہے تو توفیق عطا کر۔ اللہ کی بندگی میں رہیں، آخرت کی فکر و خوف میں رہیں۔ اس کے لئے سالانہ شیڈول میں سے 10 دن اعتکاف کے لئے رکھیں۔۔۔ نیز حضور ﷺ پر درود وسلام کی کثرت کریں اور حضور ﷺ سے تعلق بنانے کے لئے اپنے سالانہ شیڈول میں سے 10 دن گوشہ درود کے لئے وقف کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے احوال پر رحم فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔ ❁❁❁❁❁❁❁

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

ہم

نابغہ عصر، مفکرِ اسلام

مفسر قرآن، سفیر امن، مجدد وقت

شیخ الاسلام

ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی

کو ان کی 56 ویں سالگرہ کے موقع پر مبارکباد پیش کرتے ہیں

نیز احیائے اسلام کے لئے کی جانے والی ان کی انقلابی اور مجددانہ کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں

منجانب: منہاج القرآن انٹرنیشنل ستاونگر۔ ناروے

الحدیث

اہل بیت کرام کی تعریف و تعارف

علامہ محمد معراج الاسلام

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغذُوكُم مِنْ نِعْمَةٍ وَاَحِبُّونِی بِحُبِّ اللّٰهِ وَاَحِبُّوا اَهْلِ بَيْتِی بِحُبِّی. (ترمذی، ۲: ۲۲۰)

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں نعمت (ایمان) سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس لئے اس سے محبت کرو! اور اللہ کے ساتھ محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میرے ساتھ محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت کے ساتھ محبت کرو''۔

شرح و تفصیل

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں جن کے ساتھ محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس محبت کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے بتایا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اہل بیت کے ساتھ محبت کی جائے، وگرنہ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت کا دعویٰ مخدوش ہوجائے گا۔ اس لئے قرآن و حدیث کی روشنی میں سب سے پہلے یہ معلوم کرتے ہیں کہ اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں۔

اہل بیت کون ہیں؟

اہل بیت کا مطلب ہوتا ہے ''گھر والے'' اس لئے ہر قوم اور معاشرے میں اور عرف عام میں اس سے انسان کے اپنے گھر والے، بیوی بچے اور اہل و عیال مراد لئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیوی کو ''اہلیہ'' اور ''گھر والی'' کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ فرشتے حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کی اہلیہ حضرت سارہ علیہا السلام کو اپنے رب کی طرف سے بشارت دی کہ آپ کے ہاں بچہ پیدا ہوگا تو وہ حیرت سے بولیں، ہم دونوں بوڑھے ہوچکے ہیں، بچہ کیسے ہوگا؟ تو انہوں نے حضرت سارہ علیہا السلام کو ''اہل بیت'' کے لقب سے مخاطب کیا:

قَالُوا اَتَعْجَبِينَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُم اَهْلَ الْبَيتِ.

''اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت و برکت نازل ہو، کیا تم اللہ کے کام پر تعجب کرتے ہو''۔

قرآن پاک کے بائیسویں پارے کے پہلے رکوع کا موضوع ہی یہ ہے۔ اس میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا گیا ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ وہ عام درجے کی خواتین نہیں

بلکہ کاشانہ نبوت کی عزت و زینت ہیں اور اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے بے مثل ہیں، اس لئے ان پر کچھ زیادہ ہی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، وہ سادہ، پروقار اور زاہدانہ زندگی گزاریں اور علم و حکمت کے حصول، قرآن پاک کی تلاوت اور اطاعت وعبادت میں دل وجاں سے مشغول رہیں۔ آخر میں فرمایا ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً.

''اے اہل بیت! تمہیں یہ حکم اس لئے دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر قسم کی نجاست سے پاک کرنا چاہتا ہے''۔

پہلی آیت میں جناب خلیل علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو اور دوسری آیت میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو اہل بیت کہا گیا ہے جو اس حقیقت کا غماز ہے کہ بنیادی طور پر انسان کے اہل وعیال اور بیوی بچوں ہی کو اہل بیت کہتے ہیں۔ بات کو پوری طرح سمجھنے کے لئے یہاں ایک اور حقیقت کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ انسان کا نسب بیٹے کی طرف سے جاری ہوتا ہے، بیٹی کی طرف سے نہیں۔ پوتا اپنے دادا کے نسب کا وارث اور اس کے خاندان کا ایک فرد شمار ہوتا ہے، نواسہ نہیں کیونکہ وہ بیٹی کی اولاد ہوتا ہے اور بیٹی جس خاندان میں چلی جائے اس کی اولاد بھی اسی خاندان کی متصور ہوتی ہے لیکن حضور ﷺ نے ایک خاص حکمت کے پیش نظر اپنی ذات کی حد تک ان دونوں تصورات کو بدل دیا، جن کی تفصیل یہ ہے۔

حضور ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا، حضور ﷺ کے اسی مقام و مرتبہ کی وجہ سے آپ کے حقیقی بیٹے اس دنیا سے رخصت ہوگئے کیونکہ اگر وہ اسی دنیا میں زندہ رہتے اور نبی نہ ہوتے تو یہ ایک عیب تھا کہ عظیم الشان نبی کا بیٹا، نبی نہیں۔ اس لئے حکمت الٰہی کو یہ منظور ہوا کہ وہ اس دنیا میں نہ رہیں، اس لئے انہیں بچپن ہی میں دنیا سے اٹھا لیا گیا۔

اب ایک دوسری صورت پیدا ہوگئی، نر اولاد کا نہ ہونا بھی ایک عیب ہے۔ معاشرے میں ایسے شخص کو بہت مطعون اور پریشان کرتے ہیں اور اہل مکہ نے ایسا ہی کیا، جب حضور ﷺ کے تمام بیٹے یکے بعد دیگرے فوت ہوگئے تو انہوں نے طعنہ دینا شروع کر دیا کہ آپ ''ابتر'' ہیں یعنی بیٹوں سے محروم ہیں اس لئے آپ کا سلسلہ نسب منقطع ہوجائے گا اور نسل آگے نہیں بڑھے گی۔

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ نر اولاد نہ ہونے کے باوجود آپ کی نسل پھلے پھولے اور نسب آگے بڑھے چنانچہ حضور سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو ایک خاص خصوصیت عطا کی گئی۔ حضور ﷺ نے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:

هٰذَانِ اِبْنَایَ وَاِبْنَا بِنتِی. ''میری بیٹی کے یہ دونوں بیٹے، میرے بیٹے ہیں''۔

آپ انہیں بیٹوں ہی کی طرح چومتے، سونگھتے، چمٹاتے اور بے حد پیار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّی احبهُما فاحبّهُما واحبّ من يُحبُّهُما.

''اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی انہیں محبوب بنالے اور جو ان سے محبت کرے تو انہیں بھی محبوب بنالے''۔

اس طرح حضور ﷺ نے اولادِ زہرہ رضی اللہ عنہا کو اپنی اولاد قرار دے کر سارا مسئلہ ہی حل کردیا۔ یہ اعزاز صرف حضور سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کی اولاد پاک ہی کو حاصل ہے کہ انہیں

یہ اعزاز صرف حضور سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کی اولاد پاک ہی کو حاصل ہے کہ انہیں حضور ﷺ کی اولاد کہا جاتا ہے اور یہ بھی حضور ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ آپ کا نسب بیٹی کی طرف سے جاری ہوا

حضور ﷺ کی اولاد کہا جاتا ہے اور یہ بھی حضور ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ آپ کا نسب بیٹی کی طرف سے جاری ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت دی کہ آج سادات کرام پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

حضور ﷺ نے خاص حکمت کے تحت ''اہل بیت'' کے تصور میں بھی تبدیلی فرمائی، عرف عام میں صرف اپنے اہل وعیال اور صلبی اولاد ہی کو ''اہل بیت'' یا ''آل'' کہتے ہیں۔ لیکن آپ نے ایک خاص فرمان کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس میں شامل فرمایا: تفصیل کچھ یوں ہے۔

علاقہ نجران سے ایک عیسائی وفد، مناظرہ کرنے کے لئے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے پر مصر تھے۔ بولے: کیا آپ نے کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو بن باپ کے پیدا ہوا ہو؟

قرآن پاک نے ان کا یہ استدلال ان کے منہ پر دے مارا اور انہیں بتایا کہ اگر اللہ چاہے تو باپ ہی نہیں بلکہ وہ ماں باپ کے بغیر بھی پیدا کرسکتا ہے جیسا کہ جناب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ماں باپ کے بغیر صرف کلمہ ''کن'' سے پیدا کرنا قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ ''کن'' سے وجود میں آنے والی مخلوق ''ابن اللہ'' بن جائے۔ مگر وفد کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی، وہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ حضور ﷺ نے اس کے لاٹ پادری عبدالمسیح سے کہا اگر تم باز نہیں آتے تو آؤ ہمارے ساتھ مباہلہ کرلو۔ اپنے اہل وعیال لے کر آجاؤ میں بھی اپنے اہل بیت کو لے کر آتا ہوں، پھر ہم مل کر دعا کریں کہ اللہ جھوٹے گروہ کو ہلاک کردے۔

حضور ﷺ گھر تشریف لائے، آپ ﷺ نے دھاری دار کالی گرم چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ بیٹھ گئے، اتنے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے، آپ ﷺ نے انہیں چادر میں داخل کرلیا پھر حسین رضی اللہ عنہ آئے، پھر حضور سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی چادر میں داخل کرلیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے آپ ﷺ نے انہیں بھی ساتھ بٹھالیا اور آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھل البیت وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا۔

اور عرض کی اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اھل بَیۡتِی.

''یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں''۔

یہ اس لئے کہا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ جناب علی المرتضیٰ تو ابو طالب کی اولاد ہیں۔ نبی کے اہل بیت کیسے بن گئے؟ حضور ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ شرف عطا کرکے ہمیشہ کے لئے اس شک وشبہ کا خاتمہ کردیا اور یہ بتادیا کہ وہ جسے چاہیں اپنے اہل بیت میں شامل ہونے کا اعزاز بخش سکتے ہیں جیسا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بھی بخشا تھا۔

مذکورہ حدیث میں ان ہی اہل بیت کے ساتھ والہانہ محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس کا سبب بھی بیان فرمایا ہے یعنی یہ کہ ان ہستیوں کا تعلق حضور ﷺ کے ساتھ ہے اس لئے امتی ہونے کے ناطے فرض بنتا ہے کہ جو اہل بیت حضور ﷺ کے محبوب ہیں، امتی بھی انہیں اپنا محبوب بنائیں۔ جس اہل بیت کی محبت کو اتنی اہمیت دی گئی ہے بارگاہ خداوندی میں ان کی قدرومنزلت اور روحانی مقام ومرتبے کو اجاگر کرنے کے لئے اختصار کے پیش نظر صرف حضرت علی المرتضیٰ اور حضور سیدہ زہرہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے چند سوانحی خاکے پیش کرتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

میاں بیوی کے درمیان پیار بھری رنجش ازدواجی زندگی کا ایک دلکش حصہ ہے۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ زہرہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کچھ ایسی ہی رنجش پیدا ہوگئی۔ مولیٰ علی ناراض ہوکر مسجد میں چلے گئے اور زمین پر

> حضور ﷺ نے خاص حکمت کے تحت ''اہل بیت'' کے تصور میں بھی تبدیلی فرمائی، عرف عام میں صرف اپنے اہل وعیال اور صلبی اولاد ہی کو''اہل بیت'' یا ''آل'' کہتے ہیں لیکن آپ نے ایک خاص فرمان کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس میں شامل فرمایا

لیٹ گئے، جسم اطہر سے عنبر بار پسینہ بہہ کر مٹی میں جذب ہونے لگا۔ سرکار نبی پاک ﷺ حضرت علی کے گھر تشریف لائے تو انہیں وہاں نہ پاکر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، انہوں نے بتایا کہ ناراض ہوکر مسجد میں چلے گئے ہیں۔ حضور ﷺ مسجد میں گئے تو دیکھا ننگی زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور نازنین بدن پر مٹی لگی ہوئی ہے تو موقعہ ومحل کی مناسبت سے پیار بھرے لہجے میں فرمایا:

قُمْ یَـا اَبَـا تُـراب! اومٹی کے باپ اٹھ! آپ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خوبصورت بدن سے مٹی جھاڑتے اور یہی جملہ دہراتے رہے۔ عجیب نور بار اور فیض رساں سماں تھا۔ آپ ﷺ نے شفقتیں انڈیل دیں اور چاہتیں نچھاور کردیں اور باتوں ہی باتوں میں علی کو روئے زمین کا مالک بنادیا۔ نبی کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہوتی، مولا علی کو جو ابوتراب کا لقب دیا وہ بھی حکمت سے خالی نہیں تھا۔ تراب مٹی کو کہتے ہیں اور پوری زمین مٹی کی بنی ہوئی ہے۔ ابوتراب کہہ کر اشارہ دے دیا کہ علی، مٹی یعنی روئے زمین کا باپ اور مالک ہے اور اللہ نے روحانی طور پر اسے زمین میں تصرف کرنے کی طاقت دی ہوئی ہے جس کا اظہار ایک مرتبہ کوفہ میں ہوا۔

اہل کوفہ مولی علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ فریاد لے کر آئے تھے، روتے ہوئے بولے: دریائے فرات میں طغیانی آگئی ہے، وہ کناروں سے چھلک پڑا ہے، ہمارے کھیت برباد ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے، آپ نگاہ کرم فرمائیں اور اس سلسلے میں ہماری معاونت کریں تاکہ ہم تباہی و بربادی اور مالی نقصان سے بچ جائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ گھر تشریف لے گئے، حضور ﷺ کا جبہ مبارک زیب تن فرمایا، عمامہ شریف سر پر باندھا، عصا مبارک ہاتھ میں لیا، باہر تشریف لائے، گھوڑے پر سوار ہوئے اور دریائے فرات پر پہنچے۔ وہاں جاکر دو رکعتیں ادا فرمائیں اور عصا مبارک لے کر کھڑے ہوگئے اور پانی کو نیچے ہونے کا اشارہ کیا۔ ایک فٹ کے قریب پانی نیچے ہوگیا۔

لوگوں سے پوچھا: اتنا کافی ہے؟ وہ بولے مزید کم کریں، آپ نے پھر اشارہ کیا پانی مزید کم ہوگیا، لوگوں نے عرض کی: ابھی خطرہ باقی ہے پانی اور کم کریں۔ آپ نے تیسری بار اشارہ کیا تو پانی اور اتر گیا جب وہ خطرے کے نقطے سے نیچے آگیا تو لوگ بولے: حضور! اب ٹھیک ہے خطرہ ٹل گیا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت ومالکیت اور آقائی کا بڑے واضح انداز میں ذکر فرمایا: اس واقعہ کے چشم دید گواہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہیں بیان فرماتے ہیں:

ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے سفر کرتے کرتے ''غدیر خم'' پر پہنچ گئے۔ وہاں ظہر کی نماز ادا کی، حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور لوگوں سے پوچھا۔ کیا میں اہل ایمان کی جانوں سے بھی زیادہ ان کا مالک اور آقا نہیں ہوں؟ سب نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! بے شک آپ ﷺ ہمارے مالک وآقا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو سنو!

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِّي مَوْلَاہُ ''جس کا میں مالک وآقا ہوں علی بھی اس کا آقا ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے دعا کی:

اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ.

''اے اللہ! جو علی سے محبت کرتا ہے، تو بھی اس سے محبت فرما اور جو دشمنی کرتا ہے تو بھی اس سے دشمنی فرما''۔

Scanned with CamScanner

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ نبوت میں کیا قدر و قیمت تھی، اس کا اندازہ حضور ﷺ کے اس ایک ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے۔ جسے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا:

لَایُحبُّ عَلِیًا مُنَافِق ولا یُبْغِضُه مُؤمن.

''جو منافق ہے وہ علی سے محبت نہیں کرتا اور جو مومن ہے وہ علی سے بغض نہیں رکھتا''۔

گویا محبت علی، معیار ایمان ہے۔ جس دل میں ہے وہ اس بات کی دلیل اور علامت ہے کہ یہ بندہ مومن ہے اور جو محبت کے اس گوہر شب چراغ سے محروم ہے وہ اس بات کی نشانی ہے کہ یہ شخص ایمان کی دولت سے محروم ہے اور اس کے دل پر نفاق کے کالے سائے چھائے ہوئے ہیں۔

حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا

ایک دفعہ حضور ﷺ نے جناب سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

یَابُنَیَّةُ اَلاَ تَرْضِیْنَ اَنَّکِ سَیِّدَةُ نِسَاءِ العَالمِین.

''اے بیٹی! کیا تو اس بات سے راضی نہیں کہ تو تمام جہان کی عورتوں کی سردار بنے''۔

عرض کی: ابا جان! یہ منصب تو حضرت مریم کو عطا کیا گیا ہے۔ فرمایا:

تِلْکَ سَیِّدَةُ نِسَاءِ عَالَمِهَا. ''وہ صرف اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں''۔

اہل علم فرماتے ہیں جناب سیدہ سے کوئی افضل ہو بھی نہیں سکتا، وجہ یہ کہ حضور ﷺ سے افضل کوئی نہیں ہے۔ افضل و اعلیٰ، بالا و والا ہمارے نبی کریم ﷺ ہی ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضرت مِسْــوَرْ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

فَاطِمَةُ بِضْعَة مِنِّی ''فاطمہ میرا ٹکڑا ہے''۔

تو جو حضور ﷺ کے جگر کا ٹکڑا ہو اس سے افضل کون ہوسکتا ہے اسی حدیث کا اگلا حصہ ہے۔

فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِی. ''جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا''۔

یُرِیْبُنِی مَااَرَابَهَا وَیُؤْذِیْنِی مَا آذَاهَا.

''جو چیز اسے بری لگتی ہے وہ ہمیں بھی بری لگتی ہے اور جو اسے دکھ دیتی ہے وہ ہمیں بھی دکھ دیتی ہے''۔

اور جو شخص یا گروہ اللہ کے رسول کو دکھ دیتا اور صدمہ پہنچاتا ہے اس کے بارے میں قرآن پاک کا واضح فیصلہ ہے جو سورہ احزاب میں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّلَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا.

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، اللہ دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت فرماتا ہے اور اس نے ان کے لئے بڑا ہی رسوا کن عذاب تیار کیا ہوا ہے''۔

اس لئے میدان کربلا میں جن لوگوں نے امام پاک رضی اللہ عنہ کے خلاف صف بندی کی اور ان پر، ان کے اہل وعیال اور دوستوں پر مظالم ڈھائے وہ دنیا اور آخرت میں ملعون اور دوزخ کا ایندھن ہیں کیونکہ انہوں نے یہ حرکت کرکے حضرت سیدہ زہرہ رضی اللہ عنہا کے دل مبارک کو صدمہ پہنچایا جو حضور ﷺ کو دکھ پہنچانے کے مترادف ہے اور جس نے حضور ﷺ کو دکھ پہنچایا اس کے بارے میں واضح فیصلہ ہے کہ وہ ملعون اور عذاب کا مستحق ہے۔

❁❁❁❁❁❁

حصہ سوم (ii)

صحیح البخاری کی روشنی میں

- وسعتِ علمِ مصطفیٰ ﷺ
- خواب و بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت
- خدمتِ مصطفیٰ ﷺ پر علم و معرفت کا فیض
- آثارِ مصطفیٰ ﷺ و فضلاتِ مبارکہ سے حصولِ برکت

کے موضوعات پر

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا برمنگھم UK میں دورہ صحیح البخاری کی تیسری نشست میں علمی و تحقیقی درسِ حدیث

ترتیب و تدوین:
محمد یوسف (منہاجین)

گذشتہ اقساط کا خلاصہ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دورہ صحیح البخاری کی پہلی نشست (اشاعت: ماہ نومبر 06، ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین) میں عقائد اہل سنت اور فقہ حنفی سے متعلق متعدد اشکالات کا ازالہ فرمایا۔ آپ نے اپنی ابتدائی گفتگو میں سند/ اسناد کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے اہل سنت پر شخصیت پرستی کا لیبل لگانے والوں کا علمی محاکمہ کیا۔ نیز امام بخاری کے اساتذہ، تلامذہ اور فقہ حنفی کے فروغ میں ان کے کردار پر گفتگو فرمائی۔ شیخ الاسلام نے صحیح البخاری کے ترجمۃ الباب اور حدیث الباب کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ صحیح البخاری کے ترجمۃ الباب، امام بخاری کا اجتہاد اور ان کی فقہ ہے نہ کہ حدیث مصطفیٰ ﷺ۔ اس لئے کہ صحیح البخاری صرف حدیث ہی کی کتاب نہیں بلکہ امام بخاری کی فقہ بھی ہے اور وہ اپنی فقہ/ اجتہاد کو ترجمۃ الباب میں ذکر کرتے ہیں۔ لہذا امام بخاری کی فقہ/ اجتہاد سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ بعد ازاں شیخ الاسلام نے صحیح البخاری کے تراجم الابواب پر بحث کرتے ہوئے رفع یدین، آمین بالجہر، قرأت خلف الامام اور امام اعظم پر ہونے والے دیگر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ امام اعظم کی فقہ حنفی احادیثِ صحیحہ پر قائم ہے۔

شیخ الاسلام نے دورہ صحیح البخاری کی دوسری نشست (اشاعت ماہ دسمبر 06) میں بخاری شریف کی احادیث کی روشنی میں مقام و محبتِ مصطفیٰ ﷺ، تمثلِ ارواح، علم الغیب، حقیقتِ بدعت، شخصیت پرستی، محبتِ اولیاء، رویائے صالحہ، اصلاحِ قلب اور تصوف جیسے موضوعات پر عقلی و نقلی دلائل بیان فرمائے۔

شیخ الاسلام نے دورہ صحیح البخاری کی تیسری نشست (i) (اشاعت: ماہ جنوری 07ء) میں ''کتاب العلم'' کی متعدد احادیث کو موضوعِ بحث بناتے نبی کریم ﷺ کے اختیارِ تشریعی اور اس حوالے سے عقیدۂ صحابہ کرام، حضور ﷺ کی قاسمیت، معرفتِ مقام مصطفیٰ ﷺ اور سوالات قبر، زیارت روضہ رسول ﷺ و اولیائے کرام، عقیدہ توسل اور منہاج السوی کی ضرورت و اہمیت پر تفصیلی گفتگو فرمائی۔

☆ کتاب العلم، باب ۲۹ بَابُ الْغَضَبِ فِی الْمَوْعِظَةِ وَالتَّعْلِیْمِ اِذَا رَایٰ مَا یَکْرَهُ

(نصیحت وتعلیم کے دوران ناراض ہونا)

مسلسل حدیث ۹۲: عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی سُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ عَنْ اَشْیَآءَ کَرِهَهَا فَلَمَّا اُکْثِرَ عَلَیْهِ غَضِبَ ثُمَّ قَالَ اَیُّهَا النَّاسُ سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ فَقَالَ رَجُلٌ مَنْ اَبِیْ قَالَ اَبُوْکَ حُذَافَةُ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ مَنْ اَبِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْکَ سَالِمٌ مَوْلٰی شَیْبَةَ فَلَمَّا رَایٰ عُمَرُ مَافِیْ وَجْهِهٖ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے چند امور کے متعلق سوال کیا گیا جن کو آپ نے ناپسند فرمایا۔ جب سوالات کی کثرت ہوگئی تو آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور لوگوں سے کہا مجھ سے جس چیز کے متعلق چاہو پوچھ لو۔ ایک صاحب کھڑے ہوئے، عرض کی: میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تیرا باپ حذافہ ہے۔ ایک اور صاحب کھڑے ہوئے اور پوچھا: میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تیرا باپ سالم ہے مولیٰ شیبہ کا۔ پس جب حضرت عمر نے حضور ﷺ کی ناپسندیدگی کو دیکھا تو عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم اللہ کے حضور توبہ کرتے ہیں''۔

وسعتِ علمِ مصطفیٰ ﷺ

یہ حدیث مبارکہ وسعت علم نبوت پر دلالت کرتی ہے ''حضرت ابوموسیٰ اشعری روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سے کچھ اس قسم کے سوال کئے گئے جن کو حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا، اس ناپسندیدگی کے باعث آپ ﷺ خفا ہوئے پھر آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں سے کہا کہ جو چاہو مجھ سے پوچھ لو''۔

یہاں بعض اہل علم (بعض اہل علم سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس حدیث کا صحیح معنی و مراد نہیں سمجھ سکے اور جنہیں کوئی اعتقادی مغالطہ لگا ہے اور معرفت و مقام رسالت ﷺ کے سمجھنے میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے) نے حضور ﷺ کے علم نبوت کی وسعت تامہ کا کامل ادراک نہ کرتے ہوئے یہ خیال کیا کہ فرمان رسول ''جو چاہو پوچھ لو'' میں اشارہ اس امر کی طرف تھا کہ احکام شریعت میں سے جو چاہو پوچھ لو۔۔۔ یہ مفہوم مراد لینا غلط ہے بلکہ حضور ﷺ کے قول مطلق کو ناروا مقید کردینے کے مترادف ہے۔ حضور ﷺ نے اسے احکام شریعت سے متعلق کیا ہی نہیں ہے۔ ''ما'' کلمہ عام ہے اور عام کو بغیر کسی مخصص کے خاص نہیں کرسکتے، جب تک کوئی وجہ نہ ہو تخصیص ناجائز ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ (جو چاہتے ہو مجھ سے پوچھ لو) اگر سوال احکام شریعت بارے ہوتا تو حضور ﷺ فرماتے سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ مِنْ اَحْکَامِ الشریعه (کہ احکام شریعت میں سے جو چاہو پوچھ لو) جب حضور ﷺ نے یہ تخصیص نہیں فرمائی تو کسی کو حق نہیں کہ حکم عام کو مخصوص کرے یا مطلق کو مقید کرے۔

دوسری دلیل اس خیال کو رد کرنے اور اس کو غلط ثابت کرنے کے لئے یہ ہے کہ اس بات کو دیکھا جائے کہ حضور ﷺ کے فرمان کے جواب میں جو لوگ موجود تھے انہوں نے حضور ﷺ کے فرمان کو کیا سمجھا؟ اور کیا سوال کئے؟ اگر سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ کے اعلان پر لوگوں نے احکام شریعت سے متعلق سوال کئے تو پھر ہم سمجھ جائیں گے کہ جو سامعین حضور ﷺ کے سامنے موجود تھے انہوں نے حضور ﷺ کے اس فرمان کا مطلب یہی سمجھا کہ احکام شریعت میں سے جو چاہتے ہو پوچھ لو۔۔۔ اور اگر سوال احکام شریعت کا پوچھا ہی نہیں گیا بلکہ عمومی وقائع وحقائق سے متعلق پوچھا گیا تو اس کا مطلب ہے کہ حضور ﷺ کے سامعین نے بھی یہی سمجھا کہ بحرِ علمِ مصطفیٰ ﷺ آج طلاطم میں ہے۔۔۔ کائنات ارض وسماء کی جو حقیقت پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو۔

پس سامعین نے سوال کئے۔۔۔ ایک شخص اٹھا، جس کو لوگ اس کے نسب کا طعنہ دیتے تھے کہ تم اپنے باپ کے نہیں ہو، اس شخص نے دیکھا کہ بحر علم مصطفیٰ ﷺ عروج پر ہے لہذا اپنے نسب کا مسئلہ حل کروالو۔۔۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نسب کا تعلق امور ظاہر سے ہے یا امور غیب سے؟۔۔۔ لازمی بات ہے کہ نسب کا تعلق امور غیب میں سے ہے یعنی کس کو کیا خبر کہ کون کس کا نطفہ ہے۔۔۔ اس شخص نے سوال کیا یارسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پر کوئی ایمان لاتا یا نہ لاتا ان ہر دو کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور ﷺ کو اللہ نے ہر شے کا علم عطا کیا ہے۔ اگر علم نبوت صرف احکام شریعت ہی سے متعلق ہوتا یا ضروریات نبوت کو پورا کرنے والا علم ہی مراد ہوتا تو حضور ﷺ اس کے سوال کو Intertain نہ کرتے بلکہ رد فرما دیتے۔۔۔ فرماتے کہ میں نبی ہوں، مجھے کیا خبر کہ تمہارا نسب کیا ہے؟۔۔۔ مجھ سے پوچھنا ہے تو حلال وحرام، احکام شریعت کا پوچھ۔۔۔ مگر حضور ﷺ نے اس کا سوال رد نہ کیا بلکہ جواب دیا کہ تمہارا اصل باپ حذافہ ہے۔۔۔ اس کے بعد دوسرا شخص کھڑا ہوا، اس کو بھی لوگ نسب کا طعنہ دیتے تھے اس نے سوال کیا یارسول اللہ ﷺ میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرا باپ شیبہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہے۔ حضور ﷺ سے دو سوال ہوئے اور دونوں احکام شریعت سے متعلق نہیں ہیں۔ یہ بات اس لئے کی کہ کئی اہل علم نے حدیث کی شرح کرتے ہوئے صریحاً یہ باتیں لکھیں، ان باتوں کی قطعاً حدیث کے مضمون کے ساتھ مطابقت نہیں ہے۔

جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضور ﷺ غضب میں ہیں تو عرض کیا اِنَّا نَتُوْبُ اِلَی اللّٰہ (آقا ﷺ ہم اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں)۔ گویا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سب لوگوں کی طرف سے بطور نمائندہ معافی مانگ رہے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس موقع پر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی کیا مناسبت ہے؟

مناسبت یہ ہے کہ جو گستاخی ہوئی اس کا تعلق شان علم مصطفیٰ ﷺ سے ہے اور توبہ اس لئے کرتے ہیں کہ حضور ﷺ آپ کا علم ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے حوالے سے بھی ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں مطابقت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو بَابُ الْغَضَبِ فِی الْمَوْعِظَۃِ وَالتَّعْلِیْمِ (تعلیم وتربیت کے دوران کسی بات پر ناراض ہونا) کے عنوان کے تحت درج کیا۔ کوئی شک نہیں کہ اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کسی کی بات پر ناراض ہوئے، لہذا امام بخاری نے اس ناراضگی کو باب کا عنوان بنا کر یہ حدیث درج کردی۔۔۔ حالانکہ حدیث سے وسعت علم مصطفیٰ ﷺ کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ امام بخاری کے قائم کردہ ترجمۃ الباب کی حدیث الباب سے مطابقت تو ہے مگر کئی امور ایسے ہیں کہ جس میں نفس مضمون حدیث اور ترجمۃ الباب من وجہ مطابقت رکھتا ہے اور من وجہ عدم مطابقت ہے۔

امام بخاری اگلی حدیث مبارکہ نمبر۹۳ بھی اسی مضمون کی لائے ہیں مگر اس کو "امام یا محدث کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھنے" کے باب کے تحت درج کردیا۔ آیئے حدیث پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

☆ بَابُ مَنْ بَرَکَ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ عِنْدَالْاِمَامِ اَوِ الْمُحَدِّثِ

(امام یا محدث کے سامنے دو زانو بیٹھنا)

حدیث ۹۳: اس حدیث مبارکہ میں بھی پچھلی حدیث مبارکہ والا مضمون ہی ذکر ہے البتہ اس میں یہ مضمون زیادہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کے بارے سوال کیا اور حضور ﷺ نے اس کا جواب دیا، بعد ازاں یہ فرماتے رہے کہ سَلُوْنِی سَلُوْنِی مجھ سے پوچھو، مجھ سے پوچھو۔۔۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے

فَبَرَکَ عُمَرُ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ. پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آقا ﷺ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے''۔
اس حدیث میں امام بخاری نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمل کو دیکھتے ہوئے گھٹنے ٹیکنے کا باب بنادیا۔
اب نئی مدونہ کتب حدیث میں ایسے تراجم الابواب قائم کرنے کی ضرورت تھی جو اس حدیث کے دیگر مضامین سے مطابقت رکھے اور پہلی مدونہ کتب میں وہ ابواب درج نہ ہوئے ہوں۔ سو جب میں نے المنہاج السوی کے نام سے کتاب الحدیث مرتب کی تو مذکورہ بالا دو احادیث کے لئے جو فصل مقرر کی اس کا عنوان ہے۔

فَصْلٌ فِیْ مَنْزَلَۃِ الْعِلْمِ النبی وَمَعْرِفَتِہٖ. (حضور ﷺ کی شانِ علم و معرفت کا بیان)

پس اب ہر کوئی اس ترجمۃ الباب کے ذریعے اس حدیث تک آسانی کے ساتھ رسائی حاصل کرسکتا ہے۔

☆باب ۳۹: اِثْمِ مَنْ کَذَبَ عَلَی النبی ﷺ (حضور ﷺ کی طرف (نعوذباللہ) جھوٹ منسوب کرنا)

حدیث ۱۱۰: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النبی قَالَ تَسَمُّوْا بِاِسْمِیْ وَلَا تَکْتَنُوْا بِکُنْیَتِیْ وَمَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ.

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے نام پر نام رکھ لیا کرو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھا کرو (یعنی ابوالقاسم نہ رکھو) جس نے مجھے خواب میں دیکھا پس اس نے مجھ ہی کو دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا اور جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔

حدیث کے آخری حصہ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا۔۔۔ کو امام بخاری نے ترجمۃ الباب بنایا۔ نیز اس حدیث کے اندر ''محمد'' نام رکھنے کی ترغیب بھی موجود ہے۔۔۔ علاوہ ازیں اس حدیث مبارکہ کے اندر موجود موضوعات میں سے ایک موضوع یہ ہے کہ ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا'' سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس موضوع کا کتاب العلم کے ساتھ کیا تعلق ہے جو امام بخاری نے اسے اس کتاب کے تحت درج کیا۔

خواب میں حضور ﷺ کی زیارت۔۔ بیداری میں زیارت کی مثل

اس موضوع سے ایک یہ چیز ثابت ہوئی کہ خواب حق ہے۔ دوسری چیز یہ ثابت ہوئی کہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کا ہونا حق ہے، اس کا انکار اور تکذیب شریعت میں قطعاً ممنوع ہے۔ اس کو کتاب العلم میں لانے کا سبب یہ ہے کہ امام بخاری بتانا چاہتے ہیں کہ علم کے مختلف ذرائع ہیں ان میں سے ایک ذریعہ خواب بھی ہے۔ پس رؤیائے صالحہ کے ذریعے بھی علم و معرفت نصیب ہوتی ہے۔ گویا اہل اللہ، اولیاء وصلحاء کو خواب کی صورت بھی بعض علوم و معارف نصیب ہوتے ہیں۔

اس کے بعد خواب میں حضور ﷺ کی زیارت اور روایت میں حضور ﷺ پر جھوٹ نہ بولنا کا ذکر ہے۔ گویا رؤیت اور روایت کو اکٹھا کردیا۔ اشارہ اس امر کی طرف تھا کہ ہر چند کہ روایت حدیث تو بیداری میں ہوگی مگر حقیقت میں امام بخاری دونوں کو ایک کتاب، ایک باب اور ایک ہی حدیث کے اندر اس لئے بیان کرتے ہیں کہ جس طرح حدیث غلط گھڑی جائے تو یہ کفر ہے اس طرح خواب میں بھی آقا ﷺ کو دیکھا تو وہ اس طرح حق ہے جس طرح ظاہر میں حضور ﷺ کو دیکھا۔ خواب میں بھی حضور ﷺ نے جو فرمایا وہ منبع علم و معرفت و ہدایت ہے۔ ''جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا'' اس سے رؤیت منامی کا اثبات ہوا۔

شیطان خواب میں حضور ﷺ کی مثل نہیں بن سکتا

''شیطان میری شکل میں نہیں آ سکتا'' حضور ﷺ کے اس فرمان سے شیطان کا عدم تمثل کا احقاق ہو رہا ہے۔ شیطان، جنات کا سردار ہے اور وہ جس صورت میں چاہے، متمثل ہو کر لوگوں کو گمراہ کرے یہ اس کے اختیار میں ہے، فرمایا: مگر جب میری ذات کا معاملہ ہو، شیطان ہر ایک کا روپ دھار سکتا ہے مگر روپ مصطفیٰ ﷺ نہیں دھار سکتا۔ میری مثال بننے سے اللہ نے شیطان کو منع کر دیا ہے اور یہ طاقت، قوت و اختیار شیطان سے سلب کر لیا ہے کہ میری مثل بن سکے۔

ملائکہ کے تمثل کی نفی کیوں نہ کی؟

یہاں ایک لطیف بات کہوں جو شارحین حدیث نے نہیں لکھی، ان کی برکت سے آپ کو ایک تحفہ دے رہا ہوں اور اس کے لئے اب آئندہ سطور میں سوال میں خود وارد کرتا ہوں اور جواب میں خود دوں گا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمثل کی طاقت صرف شیطان ہی کو تو حاصل نہیں بلکہ شیطان سے کئی زیادہ طاقت تمثل ارواح اور تجسد ارواح ملائکہ کو حاصل ہے قرآن گواہ ہے۔

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا. (مریم، ۱۹:۱۷)

''پس ہم نے (حضرت مریم علیہا السلام) کی طرف روح الامین (حضرت جبرائیل علیہ السلام) کو بھیجا جو اس (حضرت مریم علیہا السلام) کے لئے بشری پیکر کی صورت میں نمودار ہوا''۔

پس حضرت جبرائیل علیہ السلام مختلف صحابہ کی شکل میں متمثل ہو کر تشریف لائے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے نفی تمثل شیطان کی ہے۔ تمثل ملائک کی کیوں نہ کی؟۔۔۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی فرشتے کی زیارت ہو، حضور ﷺ کی نہ ہو اور فرشتہ حضور ﷺ کی شکل میں خواب میں متمثل ہو کر آیا ہو۔۔۔ جس طرح شیطان کسی کی صورت میں متمثل ہو کر آ سکتا ہے تو فرشتہ بھی تو حضور ﷺ کی شکل میں متمثل ہو کر آ سکتا تھا۔۔۔ مگر اسکی نفی حضور ﷺ نے نہیں کی، نفی تمثل حضور ﷺ نے شیطان کے لئے کیوں خاص کیا؟ اور ملائکہ کا ذکر کیوں نہ کیا؟

حضور ﷺ کا تمثل گستاخی و بے ادبی

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نفی تمثل شیطان سے خاص اس لئے کی اور ملائکہ کا ذکر نہ کیا کہ حضور ﷺ کا تمثل گستاخی و بے ادبی ہے اور گستاخی رسول ﷺ شیطان کا کام ہے نہ کہ فرشتوں کا کام۔ رسول کی گستاخی کا عقیدہ شیطان کا ہے۔۔۔ یہ عقیدہ ملائکہ کا ہے ہی نہیں۔ ملائکہ کا عقیدہ سراپا ادب ہے۔ جب سجدہ کا حکم ہوا تو

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ. (الحجر، ۱۵:۳۰)

''پس (اس پیکر بشری کے اندر نور ربانی کا چراغ جلتے ہی) سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا''۔

سوائے ابلیس کے، سب فرشتوں نے سجدہ کیا، پوچھا جب میں نے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو تم کیوں نہ جھکے، شیطان نے جواب دیا۔

لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ. (الحجر، ۱۵:۳۳) ''(ابلیس نے کہا) میں ہرگز ایسا نہیں (ہو سکتا) کہ بشر کو سجدہ کروں''۔

بشریتِ انبیاء کا اقرار درست مگر اصرار شیطنت

تاریخ مخلوق میں نبی بشر تھے اور کوئی نبی بشریت سے خالی نہیں ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام حتی کہ حضور ﷺ کی

ذات اقدس سمیت مطلقاً بشریت کا کلیتاً انکار کرنا کفر ہے جو کہے کہ حضور ﷺ سرے سے بشر ہے ہی نہیں وہ کافر ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ. (الكهف، ١٨:١١٠)

''فرما دیجئے میں تو صرف (بخلقت ظاہری) بشر ہونے میں تمہاری مثل ہوں (اس کے سوا اور تمہاری مجھ سے کیا نسبت ہے ذرا غور کرو)''۔

بشریت تھی، بشریت حق ہے خود خالق کائنات نے فرمایا۔

اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ. (الحجر، ١٥:٢٨)

''میں سن رسیدہ (اور) سیاہ بودار، بجنے والے گارے سے ایک بشری پیکر پیدا کرنے والا ہوں''۔

یہ خدا کا کلام ہے فرشتوں نے اپنے سامنے آدم علیہ السلام کو تخلیق ہوتے دیکھا اور خود رب نے فرمایا کہ میں بشر بنانے والا ہوں۔ مگر مخلوق میں سے سب سے پہلے بشر پر اصرار کرنے والا شیطان تھا۔۔۔ پس اقرار بشریت میں گستاخی نہیں ہے، اصرار بشریت میں گستاخی ہے۔۔۔ شیطان صرف اقرار کرتا اور اصرار نہ کرتا تو شیطان نہ بنتا۔۔۔ پس یاد رکھ لیں کہ مومن وہ ہیں جو انبیاء کی بشریت کا اقرار کرتے ہیں مگر بشریت پر اصرار نہیں کرتے۔۔۔ بشریت پر تکرار نہیں کرتے۔۔۔ جو بشریت کا اقرار کرے وہ اہل سنت، عقیدہ صحیحہ کا حامل ہے۔۔۔ اور جو بشریت انبیاء پر اصرار و تکرار کرتا رہے وہ گستاخ اور شیطان کی پیروی کرنے والا ہے۔ شیطان نے کہا تھا:

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ. (ص، ٣٨:٧٦)

''اس نے (نبی کے ساتھ اپنا موازنہ کرتے ہوئے) کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور تو نے اسے مٹی سے بنایا ہے''۔

موازنہ میں مثلیت ہے چونکہ مثلیت کا رجحان فرشتوں میں پایا ہی نہیں گیا اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے تو سراپا ادب ہیں وہ میری مثال بننے کا سوچ ہی نہیں سکتے، پس جو میرے تمثل کا سوچ ہی نہیں سکتے ان کی نفی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس کی نفی کریں جو میرے مثل ہونے کا سوچ سکتا ہے اس لئے فرمایا:

اِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِيْ صُوْرَتِيْ. (شیطان میری مثال نہیں ہوسکتا) لوگو! جس رسول نے شیطان کے لئے نفی کردی کہ میری مثال نہیں ہوسکتا۔۔۔ تم اپنے آپ کو رسول کی مثال کیسے بناتے ہو، یہ کہنا کہ رسول ہمارے جیسا ہے، معاذ اللہ ہم رسول جیسے ہیں، مثلیت کی بات کرنا، شیطانی طریقہ ہے۔۔۔ پس جب شیطان سے مثلیت کی نفی کردی تو دوسرے کو کیا مجال کہ وہ مثل کی بات کرے۔ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک کہ

مَنْ رَاٰنِيْ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِيْ. ''جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا''۔

اس سے ''حیات النبی'' کا عقیدہ بھی واضح ہو رہا ہے اس لئے کہ جب حیات ہیں تب ہی فقد رانی ''مجھ ہی کو دیکھنے کا فائدہ ثابت ہوتا ہے۔ یہ حدیث مبارکہ بخاری شریف میں مختلف طرق اور روایات کے ساتھ الفاظ بدل بدل کر اور بھی کئی جگہ وارد ہے۔

بیداری میں حضور ﷺ کا دیدار

ایک جگہ بیان فرمایا:

مَنْ رَاٰنِيْ فَقَدْ رَاَ الْحَقَ ''جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا'' یعنی حقیقتاً مجھے دیکھا۔ ایک مقام پر فرمایا:

مَنْ رَاٰنِيْ فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِيْ فِي الْيَقْظَا. (صحیح البخاری، ج٦، حدیث ٦٥٩٢)

''جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا''۔

اس حدیث کی شرح میں محدثین نے بہت کچھ لکھا، اس حدیث مبارکہ ہی سے ثابت ہے کہ جس طرح حضور ﷺ کو خواب میں دیکھنا حق ہے اس طرح عالم بیداری میں بھی حضور ﷺ کی زیارت کرنا حق ہے۔ بعض علماء نے اس کا مطلب یہ لیا کہ وہ قیامت کے دن مجھے بیداری میں دیکھے گا، انہوں نے اس بیداری میں دیکھنے کو قیامت کے دن کے ساتھ خاص کیا۔۔۔ ان کی یہ توجیہ وزن سے خالی ہے، خواہ کہنے والا کوئی بھی ہے۔۔۔ اس لئے کہ حضور ﷺ خواب میں زیارت مصطفیٰ ﷺ کرنے والے کی فضیلت بیان فرمارہے ہیں اور قیامت کے دن جس نے خواب میں زیارت کی تھی یا نہیں کی تھی۔۔۔ اس دن تو ساری امت حضور ﷺ کی زیارت کرے گی۔۔۔ اور شفاعت کے لئے حضور ﷺ کے پاس جائیں گے، قیامت میں زیارت عام ہوگی۔۔۔ تو خواب میں زیارت کرنے والے کی فضیلت اور امتیاز کیا ہوا۔ لہذا فسیرانی فی الیقظه سے مراد قیامت میں دیدار مصطفیٰ ﷺ نہیں ہے، وہ تو ہر ایک کے لئے ہوگا۔۔۔ پس ثابت ہوا کہ یہ بشارت ہے کہ آقا ﷺ فرمارہے ہیں چونکہ میں روحاً و جسدًا حیات ہوں، لہذا سن لو کہ جس طرح مجھے خواب میں دیکھا جاسکتا ہے اگر پردہ اٹھ جائے تو دیکھنے والے بیداری میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ بیداری میں دیکھنے کے جواز پر بہت سارے محدثین نے گفتگو کی۔

عالم بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت اور محدثین وفقہا

بعض لوگ بات حدیث کی کرتے ہیں مگر حدیث اور شروح حدیث کو پڑھے بغیر حدیث کا فہم حاصل نہیں ہوتا۔۔۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت کرنا یہ معاذ اللہ صرف صوفیاء، اولیاء اور اہل تصوف کی من گھڑت قصے اور حکایتیں ہیں۔۔۔ نہیں بلکہ یہ حدیث بخاری کی بنیاد پر ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے بیداری میں زیارت رسول کے امکان پر تنویر الحلق فی امکان رؤیت نبی والملک کے نام سے رسالہ لکھا۔۔۔ اور بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث مَنْ رَاٰنِیْ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَه وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا اور اگر بیداری میں بھی دیکھو تو کبھی نہ سمجھنا کہ شاید شیطان ہو، شیطان میری مثل اور میرے روپ کو دھار ہی نہیں سکتا۔

عالم بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت کو امام دارمی، علامہ نووی، امام ابن جمرہ، علامہ عینی، علامہ قسطلانی، علامہ کرمانی، امام عسقلانی، قاضی عیاض اور امام جلال الدین سیوطی نے بیان فرمایا، عالم بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت کرنا اس حدیث پر مدار کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں: روحانی ترقی کرتے کرتے وہ مقام آجاتا ہے کہ

حَتّٰی اِنَّهُمْ فَهُمْ فِی یَقْظَتِهِمْ یُشَاهِدُوْنَ الْمَلَائِکَة وَاَرْوَاحَ الْاَنْبِیَاءِ وَیَسْمَعُوْنَ مِنْهُمْ اَصْوَاتَهُمْ وَیَکْتَبُوْنَ مِنْهُمُ الْفَوَائِدَ.

''وہ عالم بیداری میں انبیاء سے کلام کرتے ہیں، ان کی گفتگو سنتے ہیں اور ان سے اکتساب فیض کرتے ہیں''۔

امام ابوبکر بن العربی، مالکیہ کے امام ہیں آپ نے بھی اس کی تصریح کی۔۔۔ امام عزالدین بن عبدالسلام نے القواعد الکبریٰ میں اس کی تائید کی۔۔۔ امام شرف الدین حبۃ اللہ البارزی نے اس کی تائید کی۔۔۔ امام اکمل الدین البابرتی حنفی نے اس کی تائید کی۔ یہ حوالے صوفیاء کے نہیں بلکہ محدثین اور آئمہ فقہ کے ہیں۔۔۔ امام صفی الدین ابی المنصور نے تائید کی، امام سراج الدین، شیخ عبدالغفار بن نوح القوصی نے اس کی تائید کی۔ کل آئمہ و محدثین بیان کرتے رہے۔ بیداری میں دیدار مصطفیٰ ﷺ کرنے والوں میں الشیخ ابوالعباس المرسی بھی شامل ہیں، آپ امام ابوالحسن شاذلی کے خلیفہ ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ

لَوْ حُجِبَ عَنِّیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ طُرْفَةُ عَیْنٍ مَاعَدَدْتُ نَفْسِیْ مِنْ زُمْرَةِ الْمُسْلِمِیْن.

''خدا کی قسم! عالم بیداری میں میرے حجابات اس طرح اٹھ چکے ہیں کہ اگر ایک لمحہ میری نگاہ سے جلوہ مصطفیٰ ﷺ اوجھل ہوجائے تو اس لمحے میں خود کو مسلمان نہیں سمجھتا''۔

اس کو امام جلال الدین سیوطی نے الحاوی للفتاویٰ میں روایت کیا ہے۔ نیز حضور غوث الاعظم سمیت کثرت سے اولیاء حضور کا عالم بیداری میں دیدار کرتے رہے۔ اس پر محدثین نے اور خاص طور پر امام جلال الدین سیوطی نے یہ دلیل دی کہ ایک زیارت کرنے والا ہے اور دوسرا وہ ہے جس کی زیارت ہورہی ہے یعنی حضور ﷺ کی ذات مبارکہ، اگر دونوں کے درمیان اشتراک، مناسبت تامہ ہوجائے تو بیداری میں آنکھیں دیدار کے قابل ہوجاتی ہیں اس طرح کہ ان کے دل کو آنکھ کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ نیز اشتراک کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ اشتراک ذاتی ۲۔ اشتراک وصفی ۳۔ اشتراک حالی ۴۔ اشتراک فعلی ۵۔ اشتراک رتبی

فرماتے ہیں کہ اگر پانچوں وجوہ اشتراک و مناسبت تام ہوجائیں تو پردے اٹھادیئے جاتے ہیں اور بیداری میں بندہ دیدار مصطفیٰ ﷺ سے متمتع ہوجاتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی اور دیدار مصطفیٰ ﷺ

قیامت کے دن ہر مومن کو حضور ﷺ کا دیدار ہوگا۔ آج کیوں نہیں ہوتا؟ آج ہم فانی ہیں اور فنا کے حجابات مانع ہیں۔۔۔ پس وہ پردہ مانع ہے، دیدار تو آج بھی ہوسکتا ہے۔۔۔ قیامت کے دن جب فنا کا پردہ اٹھا دیا جائے گا تو مومن دیدار مصطفیٰ ﷺ بھی کرے گا اور دیدار خدا بھی کرے گا۔ اولیاء اللہ اسی دنیا میں مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے مصداق فنا کے پردے کو فناء کردیتے ہیں۔ پس جو آنکھ ہم سب کو قیامت میں بلا امتیاز نصیب ہوگی، دیدار مصطفیٰ ﷺ کے لئے اہل اللہ کو وہ آنکھ آج نصیب ہوگئی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نے 72 مرتبہ عالم بیداری میں دیدار مصطفیٰ ﷺ کیا اور حدیث و مسئلہ شریعت میں جس بات کی سمجھ نہ آتی، میں دیدار مصطفیٰ ﷺ کے دوران حضور ﷺ سے براہ راست پوچھ لیتا۔ اس بات کی تصریح امام جلال الدین سیوطی نے خود اپنی کتب میں کی علاوہ ازیں طبقات میں امام عبدالوہاب شعرانی نے بھی اس کی تصریح کی۔

الشیخ روز بہان بقلی اور دیدار مصطفیٰ ﷺ

نیز اہل اللہ میں الشیخ روز بہان بقلی الشیرازی عظیم مفسر ہیں۔۔۔ آئمہ حدیث بطریق محدثین علم حدیث میں کمال پاکر اپنی روایت حدیث کو درست کرنے کے لئے ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور آپ آنکھیں بند کرکے بیٹھتے، محدث حدیث کی قرات کرتا چلا جاتا، جس حدیث کو سن کر چپ رہتے، یہ خاموشی حدیث کی روایت و اسناد کی توثیق کو ثابت کرتی اور جس پر وہ سر اٹھا کر سر سے ''نہیں'' کا اشارہ کرتے، محدث سمجھ جاتا کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ ایک دفعہ محدث نے ایک حدیث پڑھی آپ نے سر اٹھا کر ''نہیں'' کا اشارہ کیا کہ یہ حضور ﷺ کا فرمان نہیں ہے۔ محدث نے اسماء الرجال کی کتابوں کا حوالہ دیا، کہا کہ اس حدیث کی سند متصل ہے، آپ جلال میں آگئے اور فرمایا: میں تمہاری کتب اسماء کی مانوں یا صاحب حدیث حضور ﷺ کی مانوں: اُنْظُرْ اِلٰی مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ فَهُوَ يَقُوْلُ مَاقُلْتُ هٰذَا ''دیکھو یہ مصطفیٰ سامنے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ یہ میں نے نہیں کہا ہے''۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے بھی کشفی طور پر روایات اور احادیث کی توثیق کی، علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری نے بھی اس کی توثیق کی۔ اسی طرح دیگر علمائے دیوبند نے بھی توثیق کی۔

☆ بَابُ حِفْظِ الْعِلْم. (علم کو یاد رکھنا)

حدیث ۱۱۹: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنِّي اَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيْثًا كَثِيْرًا اَنْسَاهُ قَالَ ابْسُطْ رِدَآءَ كَ فَبَسَطْتُهُ فَغَرَفَ بِيَدِيهِ ثُمَّ قَالَ ضُمَّ فَضَمَمْتُهُ فَمَا نَسِيْتُ شَيْئًا بَعْدُ.

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ میں آپ سے بہت احادیث سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں حضور ﷺ نے فرمایا اپنی چادر بچھاؤ پس میں نے اپنی چادر بچھادی۔ حضور ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے چلو بھر کر میری چادر میں ڈال دیا فرمایا اس کو سنبھال لو۔ میں نے سنبھال لیا پس اس کے بعد میں کچھ نہ بھولا''۔

حضور ﷺ سے جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حافظہ کی کمزوری کا ذکر کیا تو حضور ﷺ اس کا علاج تجویز فرماسکتے تھے۔۔۔ کوئی دوائی بھی بتاسکتے تھے، کوئی آیت پڑھنے کو دے سکتے تھے، حافظہ کے لئے کسی اسم الٰہی کا ورد دے سکتے تھے۔۔۔ اور یہ سب احادیث میں ہے کہ حضور ﷺ مختلف لوگوں کو مختلف چیزیں تجویز فرماتے۔۔۔ مگر حضور ﷺ نے ایسا نہ کیا بلکہ چادر بچھانے کا حکم دیا اور اس میں ہاتھوں سے چلو بھر کر ڈال دیا اور اس طریق سے فیض دیا کہ اسکے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کچھ بھی نہ بھولے۔ ثابت ہوا کہ چلو کے ذریعے فیض دینا بھی سنت مصطفیٰ ﷺ ہے۔ چاہیں تو حافظے کا فیض دے دیں یا علم وحکمت کا فیض دیں اس لئے کہ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ کا تاج آپ ہی کے سر سجا ہے۔

☆ حدیث ۱۲۰. عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وِعَائَيْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ وَاَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْم.

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو قسموں کے علم حضور ﷺ سے سیکھے ان میں سے ایک علم وہ ہے جو میں تمہارے سامنے بیان کردیتا ہوں اور دوسرا علم وہ ہے کہ اگر میں اس کو بیان کردوں تو میرا نرخرہ کاٹ دیا جائے''۔

علمِ ظاہر و باطن اور امام بخاری کا عقیدہ

اس حدیث سے علم ظاہر اور علم باطن کا ثبوت مل رہا ہے جو علم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کردیتے ہیں وہ علم، علم ظاہر ہے اور یہ علماء کے پاس ہے۔ دوسرا علم جس کو بیان کرنے پر گردن کی طرف اشارہ کیا، وہ علم، علم باطن ہے۔ علم اسرار و رموز ہے نیز علم مغیبات بھی ہے۔ اس کی تائید میں امام حسن بصری مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمٌ فِي الْقَلْبِ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَان وَاَمَّا الْاَوَّلُ فَذَاكَ حُجَّةُ اللهِ عَلٰى اِبْنِ اٰدَمَ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَذَاكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ. (سنن الدارمی، ج ۱، ص ۱۱۴، حدیث ۳۶۳)

''علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جو زبان سے جاری ہوتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو قلب سے جاری ہوتا ہے۔ وہ علم جو زبان سے جاری ہوتا ہے وہ شریعت میں ابن آدم پر حجت ہے، واجب ہے اور دوسرا علم، علم باطن ہے اصل میں یہی علم نافع ہے''۔

اس کی تائید میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ وَلِكُلِّ حَرْفٍ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ فَاِنَّ عَلِيَّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ عِنْدَهٗ مِنَ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ.

''قرآن مجید سات قرآتوں میں نازل ہوا اور ہر قرات میں قرآن کے ہر حرف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے علم و معرفت اور علم لدنی کے اس فیض سے نوازا ہے کہ قرآن کے علم

کا ہر ظاہر و باطن علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے پاس ہے''۔
اس لئے حضور ﷺ نے انہیں فرمایا۔
اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا. ''میں ﷺ علم کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہے''۔
زیر بحث حدیث کے تناظر میں امام بخاری کا عقیدہ دیکھیں کہ آپ علم ظاہر و علم باطن کو پے در پے حدیث نبوی کے دلائل سے ثابت کر رہے ہیں۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ امام بخاری کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے کہاں کھڑے ہیں اور امام بخاری کا اپنا عقیدہ کیا ہے۔ امام بخاری نے باب حفظ العلم میں سب سے پہلے حضور ﷺ کے چلو کی خیرات سے علم کی بات کی کہ علم کی خیرات سینہ مصطفٰی ﷺ سے ملتی ہے۔۔۔ اور پھر امام بخاری نے علم ظاہر و باطن کی بات کی۔۔۔ اس کے بعد امام بخاری سیدنا موسیٰ و سیدنا خضر علیہما السلام کی ملاقات والی حدیث دوبارہ لائے ہیں۔

☆باب ۴۵ مَایُسْتَحِبُّ لِلْعَالِمِ اِذَا سُئِلَ اَیُّ النَّاسِ اَعْلَمُ

(جب عالم سے یہ سوال ہو کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے۔۔۔)

حدیث ۱۲۲۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی اس حدیث مبارکہ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا واقعہ ذکر ہے۔ اس حدیث میں باب سے متعلق صرف اتنا درج ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں ہوں۔ اس پر اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق بتایا کہ ان کو ہم نے وہ علم دیا ہے جس کے تم حامل نہیں ہو۔
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام کے پاس پہنچے تو کہا کہ اے خضر علیہ السلام میں علم لدنی کے حصول کے لئے آیا ہوں۔ قرآن مجید میں ہے کہ
فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا. (الکھف، ۱۸: ۶۵)
''تو دونوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے (خضر علیہ السلام) کو پا لیا جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے (خصوصی) رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی (یعنی اسرار و معارف کا الہامی علم) سکھایا تھا''۔

علم لدنی اور علم ولایت

گویا علم لدنی، قرآن کی نص صریح سے ثابت ہے۔ علم لدنی کا انکار، انکار قرآن ہے۔ اس علم لدنی کی تائید میں اور اس آیت کی شرح میں امام بخاری زیر بحث حدیث نمبر ۱۲۲ لائے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ
''جب موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو آپ نے کہا کہ اے خضر علیہ السلام میں موسیٰ بنی اسرائیل ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے اس میں سے میں بھی لوں''۔
اصل میں یہ علم ولایت کی طرف اشارہ ہے گویا علم ولایت و علم الاسرار کا اثبات حدیث نبوی سے ہوا اور علم لدنی کا اثبات قرآن سے ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کے سوال کے جواب میں سیدنا خضر علیہ السلام نے کہا:
یَا مُوْسٰی اِنِّیْ عَلٰی عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِیْهِ لَا تَعْلَمُهٗ اَنْتَ وَاَنْتَ عَلٰی عِلْمٍ عَلَّمَکَ اللهُ لَا اَعْلَمُهٗ.
''اے موسیٰ علیہ السلام میں اللہ کی طرف ایک ایسا علم رکھتا ہوں جو آپ کی ضرورت نہ تھا سو آپ نہیں جانتے اور آپ کے پاس ایک ایسا علم ہے جو اللہ نے آپ کو دیا وہ میری ضرورت نہ تھی سو میں اس کو نہیں جانتا''۔
اس میں علم لدنی اور علم ولایت کے باب میں ایک گونہ فضیلت ہوئی مگر یہ فضیلت کلی فضیلت کو ملتزم

نہیں۔۔۔ جزوی فضیلتیں ہوتی ہیں مگر افضل کا حکم کلی فضیلت پر کیا جاتا ہے۔۔۔ افضل موسیٰ علیہ السلام ہی رہے، یہ علم لدنی کی جزوی فضیلت تھی۔ مگر اس سے ثابت ہوا کہ اولیاء کے پاس علوم اسرار میں سے وہ علم لدنی ہوتا ہے کہ جو دوسروں کے پاس نہیں ہوتا۔ پس اس حدیث کو روایت کرنے سے بھی امام بخاری کا عقیدہ واضح ہو رہا ہے جبکہ ان کے پیروکاران باتوں کو ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس عشق و محبت مصطفیٰ ﷺ کی کمی ہے وہ مقام و معرفت مصطفیٰ ﷺ سے نابلد ہیں انہی کے بارے کہا گیا کہ

بے عشق نبی جو بھی پڑھاتے ہیں بخاری　　　آتا ہے بخار ان کو بخاری نہیں آتی

عقائدِ اہلسنت کا احقاق

اس دورہ صحیح البخاری کا مقصد بھی یہ ہے کہ معلوم ہو کہ صحیح البخاری اصل میں کن عقائد صحیحہ پر قائم ہے۔۔۔ اہل سنت کے احباب اپنے آپ کو Complex سے نکال دیں۔ اہل سنت کا نقص یہ ہے کہ مقدمہ تو مضبوط ہے مگر وکیل کمزور ہے۔ اہل سنت کے عقائد قرآن، سنت و حدیث کے مطابق ہیں۔۔۔ اہل سنت کے عقائد وہی ہیں جو بخاری و مسلم، ترمذی، ابوداؤد میں ہیں۔۔۔ وہ عقائد جو امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے ہیں۔۔۔ اہل سنت سواد اعظم کے عقائد کا ایک تسلسل ہے۔۔۔ یہی عقائد امام اعظم، اصحاب صحاح ستہ، حضور غوث الاعظم، کبار اولیاء، مجدد الف ثانی، عبدالحق محدث دہلوی، امام قسطلانی، قاضی ثناء اللہ پانی پاتی، امام قسطلانی، امام نووی، امام جلال الدین سیوطی اور اعلیٰ حضرت مجدد ملت شاہ احمد رضا خان بریلوی کے ہیں اور یہی عقائد میرے اور بقیہ اہل سنت کے ہیں۔

عقائد اہل سنت کے حق ہیں، مطابق کتاب و سنت ہیں۔۔۔ مگر ہوتا کیا ہے کہ کبھی مقدمہ صحیح ہوتا ہے مگر وکیل کمزور ہونے کی وجہ سے مقدمہ کمزور ہو جاتا ہے۔۔۔ کبھی پہچان نہ ہونے کی وجہ سے مغالطہ لگ جاتا ہے اور مقدمہ کمزور ہو جاتا ہے۔۔۔ دوسرے احباب جن کا دعویٰ اور مقدمہ غلط ہے مگر مضبوط وکیل کی وجہ سے مقدمہ جیت گئے۔ لیکن مقدمہ ہارنے کا مطلب قطعاً نہیں ہوتا کہ اس کا دعویٰ جھوٹا تھا، نہیں بلکہ وکیل کمزور تھا۔

ہمارا المیہ!

اس دورہ صحیح البخاری کے ذریعے بخاری شریف جتنی بھی پڑھی گئی مگر کثرت کے ساتھ عقائد کے باب میں پڑھنے، پڑھانے اور بخاری کے ساتھ مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور شارحین و محدثین کو ساتھ ساتھ چلانے کا مقصد یہ تھا کہ اہل سنت کے علماء کو پتہ چل سکے کہ آپ کے عقیدے کا ایک باب بھی آئمہ سے مختلف نہیں ہے۔۔۔ مگر نقص کیا ہوا، الا ماشاء اللہ اساتذہ، اکابر اہل علم کو چھوڑ کر، علماء، خطباء، فقہاء، آئمہ، واعظین کی اکثریت نے کتاب و سنت کے علم سے کنارہ کشی کر لی۔۔۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو رات دن کتب حدیث کھنگالتے ہیں۔۔۔ کتنے ہیں جو قرآن کو سینکڑوں تفاسیر کے ساتھ پڑھتے رہتے ہیں۔۔۔ کتنے ہیں جن کے رات دن بخاری و مسلم کے ساتھ بسر ہوتے ہیں۔۔۔ ہم نے مصادر اصلیہ کو چھوڑ دیا۔۔۔ اور بعد کے بزرگوں کی کتابوں پر کل بھروسہ کر لیا۔ ان کی کتابیں بخاری و مسلم سے مختلف نہ تھیں، انہی کی شرح تھیں۔۔۔ مگر جن لوگوں کو آپ سمجھانے بیٹھے وہ امام سیوطی، اعلیٰ حضرت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالہ جات کو نہیں مانتے بلکہ وہ تو بخاری شریف کے حوالے کا تقاضا کرتے ہیں۔۔۔ افسوس کہ ہمارے گھروں میں بخاری شریف ہے ہی نہیں، اکثریت اقل اکابر علماء کو چھوڑ کر بخاری شریف کے ترجمے پر انحصار ہے۔۔۔

نوجوان نسل دلائل کا تقاضا کرتی ہے مگر ہم۔۔۔

آج کا دور دلیل کا دور ہے۔۔۔ اور دلیل ہر شخص یا تو قرآن کی مانتا ہے یا حدیث کی مانتا ہے اور ہمارے سامعین کو (معذرت کے ساتھ) قرآن و حدیث کی بجائے میاں محمد صاحب کا کلام ملتا ہے، میں خود میاں محمد صاحب کے کلام کو شوق سے سنتا ہوں مگر آج کی نوجوان نسل بخاری، مسلم، ترمذی اور دیگر کتب صحاح ستہ کے حوالہ جات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہمیں قرآن و سنت کی دلیل کے ساتھ سمجھاؤ، آپ انہیں اکابر علماء، اولیاء، صوفیاء کے قصے سناتے ہیں، نتیجتاً آپ کا کیس رد ہو جاتا ہے۔۔۔ جبکہ یہی نوجوان جب دوسروں کے پاس گئے، اگرچہ ان کا عقیدہ، تطبیق، معنی و مراد تشریح، اخذ مسئلہ، فہم غلط ہے مگر تیزی کے ساتھ احادیث پڑھ کر سامعین کو متاثر کر رہا ہے اس لئے کہ اسے معلوم ہے کہ ان کو نہ عربی آتی ہے اور نہ بخاری آتی ہے۔ ان کو صرف اتنا معلوم ہے کہ احادیث بتائی جا رہی ہیں، بے شک وہ عربی زبان میں کچھ اور بولتا جا رہا ہو۔ وہ قرآن کی آیات پڑھتا چلا جا رہا ہے، کسی کو کیا خبر کہ اس آیت کا تعلق اس زیر بحث موضوع سے ہے یا نہیں۔۔۔ اس آیت کا شان نزول کیا ہے، اس بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا۔۔۔ سننے والوں نے صرف قرآن و حدیث کے حوالے سنے اور ان سے متاثر ہو گیا کہ ہر بات قرآن و حدیث سے ثابت ہو رہی ہے۔ اسے کیا معلوم کہ ثابت کیا ہو رہا ہے۔ مگر جھوٹے رعب کی وجہ سے وہ احباب کیس جیت گئے۔۔۔ حالانکہ عقیدہ اہل سنت، عقیدہ صحیح ہے۔

منہاج القرآن کا کردار

ہمارے ساتھ اپنے اہل سنت کے بعض علماء اللہ ان کے درجات بلند کرے، اللہ ان کو نعمتیں دے، ہماری کاوشوں، منہاج القرآن کی کاوشوں کو نہیں سمجھے۔۔۔ اور مفت میں 25 سال سے اختلاف کیا۔ برا بھلا کہا، تنقید کی۔۔۔ ان کے اس عمل کا سبب کیا تھا۔۔۔؟ اس کا سبب یہ ہے کہ ساری زندگی ان میں سے کسی ایک نے بھی میری مجلس میں بیٹھ کر مجھے سنا نہیں ہے۔ دور بیٹھ کر فتوے دیئے۔۔۔ نہیں سنا کہ یہ شخص کہتا کیا ہے۔۔۔ اور اگر کسی نے سننے اور جاننے کی کوشش کی تو اسے روک لیا کہ یورپ میں میرے ویزے پر آئے ہو۔۔۔ پاسپورٹ میرے پاس ہے، خبردار وہاں دورہ حدیث کو سننے گئے۔۔۔ ہم نے عقیدہ کو صحیح معنوں میں دلائل کے ساتھ بیان کیا۔ کیا ہم سے بڑھ کر بھی کوئی اکابر کو مانتا ہے۔۔۔ ہمارا تو لمحہ لمحہ اکابر کے جوڑوں کی خیرات پر ہے میرا قصور صرف یہ ہے کہ

سوئے قطار میکشم ناقہ بے زمام را

اہل سنت کا جو شیرازہ منتشر ہو گیا تھا اور علم کی دنیا میں پستی آ گئی تھی۔۔۔ اور قرآن و سنت کے حاملین غلط طور پر دوسرے بن گئے تھے اور اہل سنت سے علم کی امامت اور قیادت چھینی جا رہی تھی۔۔۔ میرا گناہ صرف یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی شمع لے کر میں نے علم کی قیادت ان سے چھین کر پھر اہل سنت کو دے دی ہے۔۔۔ شرق سے غرب تک، عرب سے عجم تک فقط یہ کیا ہے کہ اس عقیدہ حق کو فروغ دیا۔۔۔ میں اکابر کو بھی مانتا ہوں، مقلد بھی ہوں اور مرید بھی ہوں، میں اکابر کو کیوں نہ مانوں گا۔۔۔ مگر یہ جانتا ہوں کہ اکابر کی بات تائید ہوتی ہے دلیل نہیں ہوتی۔۔۔ دلیل صرف کتاب وسنت ہے۔۔۔ آج کے دور میں جب تک آپ اپنی بات قرآن و حدیث سے ثابت نہیں کریں گے دنیا نہ مانے گی۔۔۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں اہل سنت کو پلٹا کر قرآن و سنت کی طرف لے گیا ہوں۔۔۔ اور قرآن و سنت سے ثابت کرنے کے بعد اکابر کے حوالے تائید میں لاتا ہوں، یہ تائیدی حوالے مصادر اصلیہ نہیں ہوتے۔

علمائے اہل سنت! اگر آپ معاشرے میں علمی اعتبار سے اپنی عزت چاہتے ہیں، عالم دین کے پاس عزت کا

سبب کیا ہے؟۔۔۔ نہ وہ مالدار، نہ وہ وزیر، نہ وہ امیر وکبیر، نہ رعب، نہ طاقت۔۔۔ عالم دین کے پاس عزت کے صرف دو سبب ہیں۔۔۔ ا۔علم مضبوط ہو، ۲۔عمل صالح ہو۔

مستحکم علم قرآن وسنت پر ہے اور عمل صالح ہو۔۔۔ بولے تو قرآن وسنت کے دلائل سے بات کرے۔۔۔ اور جب تنہا ہوجائے تو اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں آنکھیں برسیں۔۔۔ عمل صالح ہو، تقویٰ، پرہیزگاری، اخلاق حسنہ، استغناء ہو۔۔۔ دنیا کا پجاری نہ ہو۔۔۔ اگر علم اور عمل صالح کی دولت ہو تو عزت پلٹ کر قرون اولیٰ کی طرح واپس آجائے گی۔۔۔ اس دورہ صحیح البخاری کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اہل سنت کے اچھے وکلاء تیار ہوں۔

☆ کتاب الوضو، بَابُ وَضْعِ الْمَآءِ عِنْدَ الْخَلاء (بیت الخلاء کے پاس پانی رکھنا)

حدیث نمبر ۱۴۳۔ عَنْ ابن عباس انّ النبی ﷺ دَخَلَ الْخَلا فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوْءً ا قَالَ مَنْ وَضَعَ هٰذَا فَاُخْبِرَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْن.

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ بیت الخلاء تشریف لے گئے میں نے آپ کے وضو کے لئے پانی کا لوٹا بھر کر رکھ دیا۔ حضور ﷺ باہر تشریف لائے تو پوچھا یہ کس نے بھرا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھرا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ اسے اس کائنات کا سب سے بڑا عالم بنادے''۔

خدمتِ مصطفیٰ ﷺ پر علم ومعرفت کا فیض

ابن العباس سے پوچھا کہ آپ ترجمان القرآن، حبر الامۃ اور فقیہ الامہ کیسے بنے؟۔۔۔ انہوں نے کہا کہ ایسا کسی کتاب کے پڑھنے سے نہیں ہوا۔۔۔ بلکہ حضور ﷺ کے لئے پانی کے لوٹے بھرتے بھرتے فقیہ الامہ بن گیا ہوں۔ یہ حدیث امام بخاری نے روایت کی۔۔۔ اس پر میں یوں کہوں گا کہ جنہوں نے حضور ﷺ کے لوٹے بھرے وہ ترجمان القرآن بن گئے۔۔۔ اور جو لوٹے بھرنے کے انکاری رہے وہ لوٹے کے لوٹے رہ گئے۔۔۔ جنہوں نے حضور ﷺ کے لوٹے بھرے وہ لُوٹ گئے اور جو لوٹوں کے انکاری ہوئے وہ لُٹ گئے۔۔۔ کیوں اس لئے کہ اِنَّمَا اَنَا قَاسِم حضور ﷺ ہی کی شان ہے، جسے چاہیں فقہ عطا کردیں۔۔۔ حضور ﷺ جب چاہیں جسے چاہیں تو لوٹے بھرنے پر بھی عطا کردیں۔۔۔ اور اگر کوئی معلم الملکوت فرشتوں کا استاد ہو، ایک ادب کا انکار کرے تو سارا علم سلب کرلیا جائے۔ اس حدیث مبارکہ میں علم ومعرفت، ذاتی خدمت کے ساتھ متعلق ہے۔

یہاں سے بھی آپ ترجمۃ الباب اور حدیث الباب کے درمیان مطابقت کو جان سکتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کیا ہے اور حدیث مبارکہ سے کیا چیز سب سے نمایاں ظاہر ہورہی ہے۔

☆ کتاب الوضو، باب ۳۳ بَابُ الْمَآءِ الَّذِیْ یُغْسَلُ بِهٖ شَعْرُ الْاِنْسَان.

(جس پانی سے آدمی کے بال دھوئے جائیں)

حدیث ۱۶۸۔ عن ابن سیرین قال قُلْتُ لعبیدہ عِنْدَنَا من شَعْرِ النبی ﷺ اَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ اَنَسٍ اَوْ مِنْ قِبَلِ اَهْلِ الانَسِ فَقَالَ لَاَنْ تَكُوْنَ عِنْدِیْ شَعْرَةٌ مِنْهُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا وَمَافِیْهَا.

''امام ابن سیرین روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمارے پاس حضور ﷺ کے کچھ بال مبارک ہیں اور یہ ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے لیا تھا یا ان کے گھر والوں سے لیا تھا۔

انہوں نے کہا ان بالوں میں سے ایک بال بھی میرے پاس ہو تو مجھے وہ دنیا و مافیہا سے سب سے زیادہ محبوب ہوتا''۔

یہ حدیث تبرک ہے حضور ﷺ کے موئے مبارک سے تبرک لینا اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے۔

☆ حدیث ۱۶۹. عن انس بن مالک انَّ رَسُوْلَ اللّٰہ لَمَّا حَلَقَ رَاسَہٗ کَانَ اَبُوْ طَلْحَۃَ اَوَّلَ مَنْ اَخَذَ مِنْ شَعْرِہٖ.

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے جب اپنے سر مبارک کا حلق کروایا تو سب سے پہلے حضور ﷺ کے بال مبارک کو حاصل کرنے والے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے''۔

دوسری حدیث جسے امام مسلم لائے ہیں کہ کَانَ حَلَّاقٌ یَحْلِقُ رَسُوْلَ اللّٰہِ وَاَصْحَابُہٗ یَطُوْفُوْنَہٗ.

''حلاق، حضور ﷺ کے سر مبارک کا حلق کر رہا تھا اور صحابہ اس کے اردگرد گھیرا ڈالے ہوئے ہوتے''۔

ایک بال بھی کسی صحابی نے حضور ﷺ کا زمین پر گرنے نہیں دیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری وضو و طہارت کے تحت لائے ہیں جبکہ حدیث تبرک کے حوالے سے ہے۔ پس وضو، طہارت کے موضوع میں موئے مبارک کی حدیث کیوں آئی؟۔۔۔ اس باب میں اس حدیث کو لانے کی حکمت یہ ہے کہ آپ شافعیت کی طرف رجحان رکھنے کے باوجود مذہب شافعیہ کے ایک مسئلہ کا رد کر رہے ہیں۔۔۔ کہ امام شافعی کے نزدیک اگر بال پانی میں گر جائیں تو وہ پانی مستعمل ہو جاتا ہے جب کہ امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ بال پاک ہے، پانی میں گرنے سے پانی پر اثر نہیں پڑتا۔ یہ فقہی بات تھی جس بناء پر امام بخاری نے اس حدیث کو وضو، طہارت کے عنوان کے تحت بیان کیا اور اپنا عقیدہ بیان کیا کہ اگر بال پانی میں گر جائیں تو وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

آثارِ مصطفیٰ ﷺ سے تبرک کا حصول

اب اعتقادی بات کی طرف آئیں کہ حضور ﷺ جب حلق کرواتے اور صحابہ اردگرد اکٹھے ہو جاتے، ایک بال مبارک بھی نیچے نہ گرنے دیتے۔۔۔ صحیح بخاری، کتاب الشروط میں ایک حدیث حضرت مسر بن مغرمہ سے روایت کی باب الشروط الجہاد والمصالحہ میں صلح حدیبیہ کے مضمون کے تحت حدیث لائے ہیں۔ (حدیث ۲۵۸۱)

وَاللّٰہِ مَا تَنَخَّمَ رَسُوْلَ اللّٰہِ تَخَامَۃً اِلَّا وَقَعَتْ فِیْ کَفِّ رَجُلٍ مِّنْھُمْ فَدَلَکَ بِھَا وَجْھَہٗ وَجِلْدَہٗ وَاِذَا اَمَرَھُمْ اِبْتَدَرُوْا اَمْرَہٗ وَاِذَا تَوَضَّأَ کَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وَضُوْئِہٖ وَاِذَا تَکَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَہٗ وَاللّٰہِ اِنْ رَاَیْتُ مَلِکًا قَطُّ یُعَظِّمُہٗ اَصْحَابُہٗ کَمَا یُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ، مُحَمَّدًا.

''اگر رسول اللہ ﷺ تھوک پھینکتے ہیں تو وہ کسی کی ہتھیلی ہی میں جا کر گرتا ہے اور وہ اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے اور جب وہ حکم دیتے ہیں تو فوراً تعمیل کرتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو استعمال شدہ پانی پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب خاموش ہو جاتے ہیں، آواز تک نہیں نکالتے ''خدا کی قسم! کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا، درباری اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں، جتنی اس نبی کے درباری اس کی تعظیم کرتے ہیں''۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جسے پانی کا قطرہ نہ ملتا وہ دوسروں کے ہاتھوں سے ہاتھ رگڑ کر اپنے چہرے پر مل لیتا۔

دوسرے مقام پر یہ ہے کہ آپ نے حج کے موقع پر حلق کروایا اور دست مبارک سے خود صحابہ میں بال مبارک تقسیم کئے اور کہا کہ میرے صحابہ میں بانٹ دو۔

حضور ﷺ اپنے آثار مبارک، اپنے موئے مبارک، وضو کا پانی، صحابہ کو اپنے چہرہ پر ملتے ہوئے دیکھ رہے ہیں مگر

حضور ﷺ منع نہیں فرمارہے۔ کیا اس کو شخصیت پرستی کہا جائے گا؟۔۔۔ حضور ﷺ فرماسکتے تھے کہ یہ کیا کررہے ہو میں بھی تمہاری طرح (معاذ اللہ) انسان ہوں، بشر ہوں، میں اپنا لعاب دہن تمہارے چہروں پر ملوانے کے لئے تو نہیں آیا۔۔۔ میں تو اللہ کا پیغام، احکام شریعت دینے آیا ہوں۔۔۔ اس لئے تو نہیں آیا کہ میری رطوبتیں، میرا لعاب دہن کو چہروں پر ملو۔۔۔ حضور ﷺ کے سامنے یہ ہوتا رہا مگر حضور ﷺ نے منع نہ فرمایا۔ پس یہ تقریراً سنت مصطفیٰ ﷺ ہوئی اور سنت صحابہ بھی ہوئی۔

ان احادیث سے بال مبارک، لعاب دہن اور ناک مبارک کی رطوبت سے تبرک کا حصول ثابت ہورہا ہے حالانکہ یہ فضلات Sicrations میں سے ہے۔۔۔ جو چیز جسم سے باہر نکلے وہ فضلہ ہوتی ہے۔ پس فضلات نبی ﷺ سے بھی تبرک جائز ہوا اور شعرات نبی ﷺ سے بھی تبرک جائز ہوا۔۔۔ ہم تھوکیں تو اس میں جراثیم ہیں اور حضور ﷺ لعاب دہن گرائیں تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اپنے چہروں پر مل لیں۔۔۔ کہاں مثلیت اور کہاں افضلیت۔۔۔ اب بھی مثلیت کی بات رہتی ہے، یہ عقیدہ صحابہ کرام کا عقیدہ ہے۔۔۔ بخاری و مسلم کا عقیدہ ہے۔۔۔ پس اس سے حضور ﷺ کے شعرات اور فضلات کی طہارت ثابت ہوئی اور ان سے تبرک ثابت ہوا۔ قاضی عیاض نے الشفاء، امام قسطلانی نے المواہب اللدنیہ، امام سیوطی نے خصائص کبریٰ، علامہ عینی نے عمدۃ القاری، ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس کی تصریح کی۔

حضور ﷺ کے فضلات پاک اور باعثِ برکت ہیں

حدیث صحیح میں ہے کہ صحابہ حضور ﷺ کے بول مبارک (پیشاب مبارک) سے بھی صحابہ تبرک حاصل کرتے (زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۵، ص ۵۴۹۔۵۴۸)

جو فضلات جسم اطہر سے نکلتے وہ طیب اور پاک تھے، اس پر مزید دلائل کے لئے میری کتاب خصائص مصطفیٰ ﷺ کو پڑھیں اس میں بے شمار عقلی، نقلی دلائل کے ساتھ فضلات کے طیب و طاہر ہونے کا ثبوت موجود ہے۔

اس موقع پر ایک دلیل دیتا ہوں: بول (پیشاب) بنتا کہاں سے ہے؟ لازمی بات ہے کہ پانی سے بنتا ہے۔۔۔ آپ نے پانی پیا، وہ آپ کے معدہ میں گیا۔۔۔ وہاں سے گردہ سے ہوتا ہوا پیشاب کی نالی سے خارج ہوگیا۔۔۔ کچھ جسم میں ہضم ہوگیا اور کچھ خارج ہوگیا۔۔۔ اب ہمارا پیشاب نجس کیسے ہوگیا اور حضور ﷺ کا بول مبارک پاک کیسے ہے؟

پانی جب گلاس میں تھا تو طیب و طاہر تھا۔۔۔ اور نجس کب بنا؟۔۔۔ جب ہمارے اندر رہا۔۔۔ حالانکہ پانی میں کوئی نجاست نہ تھی، وہ تو طاہر تھا اور مطہر بھی تھا، وہ تو نجاستوں کو پاک کرنے والا تھا۔۔۔ وہ نجس خود کیسے بن گیا؟۔۔۔ اس پانی کو ہم نے نجس بنایا۔۔۔ ہمارا اندر نجس تھا، ہمارے اندر نجاست تھی۔۔۔ داخل کیا تو پاک تھا، مگر اندر رہ کر ہماری تن کی نجاست میں رہ کر ناپاک ہوگیا۔۔۔ فضلات طیب و طاہر کا انکار کرنے والو! فضلہ کیسے ناپاک ہوا؟ پھل، روٹی جب تک ہمارے اندر نہ تھے، باہر تھے۔۔۔ سب پاک تھے مگر جونہی ہمارے اندر کی صحبت میں رہے تو ناپاک ہوگئے۔۔۔ ہمارا تن اندر سے ناپاک تھا۔۔۔ ہمارے اندر کی صحبت نے پاک کو ناپاک کردیا۔۔۔ حضور ﷺ کے فضلات پاک کیوں نہ رہیں گے وہاں تو ناپاک بھی آجائیں تو پاک ہوجاتے ہیں۔۔۔ صحبت مصطفیٰ ﷺ سے پاک ہوجاتے ہیں۔۔۔ پس پاک چیز حضور ﷺ کے اندر جائے تو وہ ناپاک کیسے ہوسکتی ہے، وہ پہلے بھی پاک تھا، نکلا تب بھی پاک تھا۔۔۔ حضور ﷺ کے بطن اقدس میں کسی شے کے ناپاک ہونے کا امکان نہیں ہے۔

اگر پانی طاہر و مطہر ہے تو بطن مصطفیٰ ﷺ سے بڑھ کر بھی کوئی طاہر و مطہر ہوسکتا ہے۔۔۔ اگر پانی طاہر و مطہر ہے تو وجود مصطفیٰ ﷺ سے بڑا مطہر کائنات میں کون ہے۔۔۔ حضور کے اسماء ہی طاہر، طیب، مطہر ہیں۔۔۔ پس پاک، پاک کے اندر گیا۔۔۔ پاک تھا جب داخل ہوا۔۔۔ پاک تھا جب خارج ہوگیا۔۔۔ پس حضور ﷺ کے سب فضلات

پاک، طیب وطاہر ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ بریلویوں نے مسئلہ گڑھ لیا ہے، مولانا امام احمد رضا خانؒ نے یہ بات بتادی ہے۔۔۔نہیں، بلکہ ان حضرات سے تو کہیں پہلے سے احادیث مصطفیٰ ﷺ موجود ہیں۔

علامہ عینی نے حضور ﷺ کے فضلات کے طیب و طاہر ہونے کی تصریح کی۔۔۔اس طرح علامہ عسقلانی نے فتح الباری میں اس کی تصریح کی۔۔۔امام قسطلانی نے لکھا کہ طیب وطاہر ہیں۔۔۔ علامہ اشرف علی تھانوی جو علمائے دیو بند کے اکابر میں سے ہیں انہوں نے اپنی کتاب نشرالطیب میں باب قائم کیا کہ حضور ﷺ کے فضلات طیب و طاہر ہیں۔۔۔کل تک تو سارے مانتے تھے آج خدا جانے کیا ہوگیا ہے۔۔۔

حضور ﷺ کے بول مبارک (پیشاب) سے تبرک کا حصول

امام بزار، طبرانی، امام حاکم، امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء اور امام دار قطنی نے حدیث روایت کی کہ

''حضور ﷺ نے علالت کے دوران ایک دفعہ پیالے میں بول مبارک کیا۔۔۔حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا اٹھیں انہوں نے پی لیا۔۔۔حضور ﷺ نے پوچھا کہ وہ ''بـــول'' کہاں گیا؟ عرض کیا۔ میں نے پی لیا۔۔۔فرمایا تیرے پیٹ کو کبھی دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی''۔

کل شارحین بخاری حضور ﷺ کے فضلات کے طیب و طاہر ہونے کے قائل ہیں۔ قاضی عیاض، امام نووی، علامہ عینی، قسطلانی، عسقلانی، کرمانی، سیوطی، ملاعلی قاری سب قائل ہیں۔ امام قسطلانی نے الگ المواہب اللدنیہ میں بہت ساری احادیث کو اس حوالے سے اکٹھا کردیا۔۔۔محدثین نے لکھا کہ ایک صحابی سے بھی پوری زندگی منقول نہیں ہے کہ زمین پر کسی نے حضور ﷺ کے بول و براز مبارک کو دیکھا ہو۔۔۔ جب کرتے تو زمین پھٹ کر اسے نگل جاتی۔

حضور ﷺ کے پسینہ مبارک سے برکت کا حصول

اس طرح پسینہ مبارک سے بھی صحابہ تبرک حاصل کرتے۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا پسینہ مبارک کو شیشی میں جمع کررہی ہیں۔۔۔حضور ﷺ سوئے ہوئے ہیں۔۔۔ بیدار ہوکر پوچھا کیا کررہی ہو؟ عرض کیا۔

نَرْجُوْا بَرَکَةً لِصِبْیَانِنَا. (صحیح المسلم، ج۴، ص ۱۸۱۵ حدیث ۲۳۳۱)

''آپ کے پسینے سے بچوں کے لیے برکت لے رہی ہوں''۔

حضور ﷺ کے فضلات مبارکہ کے حوالے سے امام اعظم ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک ہے۔۔۔ امام قسطلانی جو خود شافعی ہیں وہ بیان فرماتے ہیں کہ یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے کہ فضلات مبارکہ حضور ﷺ طیب و طاہر ہیں۔۔۔

حضور ﷺ کا خون مبارک بھی پاک ہے حتی کہ شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی بیان فرماتے ہیں کہ

قَدْ تَکَاثَرَةِ الْاِدِلَّةُ عَلٰی طَهَارَةِ الْفُضُلَاتِ. (المواہب اللدنیہ، ج۲، ص ۷۸)

''دلائل کی اتنی کثرت ہے کہ انکار کرنا ناممکن ہے کہ حضور ﷺ کے فضلات طیب و طاہر ہیں''۔

پس حضور ﷺ کے جمیع فضلات مبارکہ طیب و طاہر تھے۔ ان احادیث کو روایت کرنے سے امام بخاری کا عقیدہ بھی مقام و معرفت مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے واضح ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں احادیث مبارکہ کو صحیح سمجھنے اور ان پر عمل کرتے ہوئے حقیقی معنوں میں مقام مصطفیٰ ﷺ کی معرفت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ (جاری ہے)

❁❁❁❁❁❁

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کی

حدیث نبوی ﷺ کی ترویج میں نمایاں خدمات

ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری

دین اسلام کے بنیادی مآخذ دو ہیں، ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت و سیرت رسول ﷺ۔ قرآن حکیم نبی اکرم ﷺ پر اترنے والی ۲۳ سالہ وحی الٰہی کا وہ حتمی مجموعہ ہے جس کی لفظی و معنوی حفاظت کا ذمہ خود اللہ رب العزت نے اٹھایا۔ چنانچہ قرآن حکیم دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس کا ایک ایک حرف ایک ایک حرکت اور ایک ایک سطر اسی طرح اپنی اصلی حالت میں موجود ہے جس طرح یہ حضور ﷺ کے قلب اطہر پر اترا تھا اور آپ ﷺ نے صحابہ کو سنایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کی سب سے بڑی حقانیت، کتاب زندہ قرآن ہے۔ حقانیت اسلام کی دوسری بڑی اساس پیغمبر انسانیت سرور کائنات ﷺ کی سیرت و سنت مطہرہ ہے۔ قرآن حکیم کی طرح صاحب قرآن کی زندگی کا بھی ایک ایک لمحہ، ایک ایک دن اور ایک ایک زاویہ اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ ایک کھلی کتاب کی طرح ہر شخص کے سامنے موجود ہے۔ اپنوں کے سامنے بھی اور غیروں کے سامنے بھی۔

حضور ﷺ کی سیرت مقدسہ کو خود اللہ رب العزت نے ''اسوہ حسنہ'' یعنی بہترین نمونہ عمل قرار دیا ہے اس لئے ضروری تھا کہ اس پاکیزہ اور اعلیٰ ترین انسانی نمونہ عمل کی تمام جزئیات بنی نوع انسان کے سامنے موجود ہوتیں۔ ان تفصیلات سے قیامت تک کی ہر نسل انسانی کو آگاہ کرنے کے لئے اللہ پاک نے صحابہ کرام کی برگزیدہ جماعت کو ذہانت شجاعت، محبت، قوت مشاہدہ، صداقت، دیانت اور حفظ و ضبط جیسی نادر خصوصیات سے بیک وقت نواز رکھا تھا جو دنیا کے کسی دوسرے گروہ انسانی میں ہمیں یکجا نظر نہیں آتیں۔ چنانچہ ان خوبیوں کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کی ہر ادا، پسند و ناپسند اور اظہار فرحت و کوفت کی ہر کیفیت کو انہی الفاظ کے ساتھ محفوظ کرلیا گیا جو آپ نے اپنی زبان اقدس سے ادا فرمائے۔ انہی کلمات، انداز، کیفیات اور احوال کے بیان کو ''علم حدیث'' موسوم کیا جاتا ہے۔ ان اقوال و افعال اور کیفیات کو بیان کرنے والوں کو راوی اور ان روایات پر کام کرنے والے خوش نصیب لوگوں کو محدث کہا جاتا ہے۔

علم حدیث کی اہمیت اور حجیت پر گفتگو اس وقت ہمارا موضوع بحث نہیں لیکن ایک بات واضح کئے بغیر آگے بڑھنا مناسب نہیں کہ جب تک دنیا میں حضور ﷺ کی اتباع کی جاتی رہے گی، آپ سے محبت کے چراغ اہل ایمان کے سینوں میں جلتے رہیں گے، آپ کی اطاعت کو عین ایمان سمجھا جاتا رہے گا، آپ کے اسوہ حسنہ کے نشانات کو سنگ میل بنایا جاتا رہے گا اور آپ کی عطاؤں کے سامنے پوری انسانیت دامن سوال دراز کئے رکھے گی قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث کی حجیت خود بخود مسلم ہوتی رہے گی۔

آج کے ترقی یافتہ اور پڑھے لکھے انسانی معاشرے میں یہ بات بھی نسبتاً آسان ہے کہ ذرائع ابلاغ کی موجودہ ترقی نے زمان ومکان کے فاصلوں اور وسعتوں کو حیرت انگیز طور پر سمیٹ دیا ہے۔ معلومات کا سیلاب ہے جو ہر شخص تک پہنچ رہا ہے۔ آڈیو ویڈیو ریکارڈنگ کے ذریعے ہر شخص کی حرکات وسکنات تک رسائی اس قدر آسان ہو چکی ہے کہ آج سے 50 سال قبل اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ سارے علوم وفنون انسان کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہیں۔ ریڈیو، ٹی وی، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، سی ڈیز، اخبارات، رسائل اور کتب، الغرض ایک سے ایک سریع اور آسان ذریعہ علم میسر ہے، ہم بڑے خطباء، قائدین، دانشوروں اور حکمرانوں کے قیمتی لمحات کو ریکارڈ بھی کر رہے ہیں لیکن ان تمام سہولیات کے باوجود کیا کوئی شخص کوئی حکومت یا کوئی ادارہ یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس نے فلاں شخصیت اور فلاں حکمران کی ساری زندگی محفوظ کردی ہے؟ اس کا ہر پہلو پبلک کے سامنے کھلا ہوا ہے اور اس کی خلوت وجلوت کی تفصیلات عوام کی پہنچ میں ہیں؟ نہیں، اس دنیا میں اس معیار پر کوئی بھی پورا نہیں اترتا۔ پوری کائنات میں یہ امتیاز صرف اور صرف حضور تاجدار کائنات کو حاصل ہے کہ آج سے ساڑھے 14 سو سال قبل جب ان جدید ذرائع اور سہولیات میں سے کسی ایک چیز کا بھی وجود نہیں تھا۔۔۔ صرف دیکھنے والوں کی محبت بھری نظریں اور محسوس کرنے والوں کی زبان حق ترجمان تھی، آج بھی حضور ﷺ کی خلوت وجلوت کا ہر لمحہ، سفر وحضر کی ہر تفصیل نشست و برخاست کا ہر انداز اور خوشی غمی کی ہر کیفیت ریکارڈ پر ہے۔

سیرت وسنت کا یہی معجزہ نما ریکارڈ ''ذخیرہ حدیث'' ہے۔ جو اس وقت سینکڑوں کتب کی صورت میں ہزاروں کتب خانوں کے اندر لاکھوں صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ کس قدر پر لطف اور باعث حیرت وتعجب بات ہے کہ جن لوگوں نے اس علم کی خدمت میں خود کو مٹا دیا اور اپنے عظیم وجلیل پیغمبر علیہ السلام کے اقوال وافعال کو محفوظ کرتے رہے۔ اللہ پاک نے ان کی حیات وخدمات کو بھی بقاء دوام کی نعمت سے سرفراز فرمادیا چنانچہ رواۃ حدیث کے حالات اور ان کی سیرت وکردار کے بیان پر مشتمل ایک مستقل صنفِ علم وجود میں آ گئی جسے ''علم اسماء الرجال'' کہا جاتا ہے اور اس علم کی اس قدر دلچسپ تفصیلات جمع ہوگئیں کہ دنیا کا کوئی مذہب اس کا عشر عشیر بھی فراہم نہیں کرسکتا۔

چنانچہ ہر دور میں کچھ خوش نصیب لوگ ایسے ضرور آتے رہے جو اپنی اپنی جھولیوں میں علم حدیث کی خیرات سمیٹنے کو زندگی کی سب سے بڑی سعادت سمجھ کر اس میدان میں استقامت کے ساتھ جمے رہے۔ انہوں نے علم حدیث کی خدمت کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ ایسے ہی مخصوص لوگوں (محدثین) میں سے بعض کو اللہ پاک نے حفظ وضبط کی خصوصیت کے ساتھ ساتھ استنباط واستخراج احکام مسائل کی اضافی صلاحیت سے بھی نواز رکھا تھا، جنہیں ہم ائمہ مجتہدین کہتے ہیں مجتہدین اور محدثین کے اس سنہرے سلسلے کی کڑیوں میں سرفہرست امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ امام محمد شیبانیؒ، امام طحاویؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ جیسے نام ہیں۔

تاریخ تدوین حدیث۔۔۔ ایک نظر میں

حدیث نبوی ﷺ کی اسی دینی اور تاریخی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرامؓ کی جماعت سے لیکر آج تک اسلامی دنیا کے اعلیٰ ترین دماغ احادیث کی تعلیم وتدریس اور ترویج واشاعت میں مصروف رہے۔ تدوین حدیث کا کام دور نبوی ﷺ میں ہی شروع ہو چکا تھا اور کئی صحابہ نے اپنے طور پر اپنی مسانید جمع کررکھی تھیں لیکن چونکہ قرآن حکیم اتر رہا تھا، کئی صحابہ حضورؐ کی ترغیب پر قرآن حفظ کررہے تھے اور جو لوگ لکھنا جانتے تھے وہ وحی الٰہی کی کتابت کررہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ

حضور ﷺ نے خود بھی اور بعد ازاں خلفائے راشدین نے بھی حفاظت و تدوین قرآن کی اہمیت اور نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس وقت احادیث کے کسی مجموعے کی تدوین اور ترویج کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔ تاہم صحابہ کے حیرت انگیز حافظے میں اپنے آقا کے اقوال، احوال اور پسند ناپسند پوری طرح محفوظ رہی اس لئے جمع و تدوین قرآن کا کام جب پوری طرح مکمل ہوگیا اور دور دراز ممالک میں قرآن کے قلمی نسخے فراہم ہوگئے تو اس کے بعد تدوین حدیث پر کام کا باقاعدہ آغاز کردیا گیا۔

اسلامی سلطنت کی وسعتوں اور نئے مفتوحہ علاقوں میں نت نئے مسائل و معاملات اور فتنوں کے تدارک میں صحابہ کرام قرآنی احکام کی تشریح و تعبیر میں فرامین رسول ﷺ سے بھی مدد لیتے تھے اور حسب ضرورت ایک دوسرے سے ان اقوالِ رسول ﷺ کا تبادلہ بھی فرماتے تھے۔ صحابہ اور تابعین کا جذبہ محبت رسولؐ اس بات کا متقاضی تھا کہ وہ اپنے پیارے آقا کی باتوں کو حرز جاں بنائیں۔ محبوب خدا ﷺ کی دلربا اداؤں کے تذکروں سے ایمان کی تازگی کا سامان کریں۔ چنانچہ محبت رسولؐ کا یہی فیضان علم حدیث کی حفاظت اور اس کی تدوین کا بنیادی سبب بھی بنا۔

جمع و تدوین قرآن میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بصیرت اور قوت فیصلہ سے کام لیا اور یہ کام بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہوا اسی طرح باقاعدہ جمع و تدوین حدیث کی سعادت جس حکمران شخصیت کے حصہ میں آئی وہ فاروق اعظم ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تھے۔ اس پانچویں خلیفہ راشد نے جب بوجوہ احادیث کو یکجا اور مرتب کرنے کا ارادہ فرمایا آپ نے تو اس وقت کے معتمد اور مستند ترین علماء کا ایک بورڈ تشکیل دیا جن میں ا۔ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزمؒ ۲۔قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ۔۔۔۔اور ۳۔ابوبکر محمد بن مسلم بن عبداللہ بن شہاب زہریؒ کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ اول الذکر دونوں حضرات کی مدد سے ابن شہاب زہری نے میسر احادیث کا پہلا اور شاندار مجموعہ مرتب کیا۔ امام ابن شہاب زہری (۱۲۴ھ) اکابر تابعی اور اپنے زمانے کے محدثین میں ممتاز ترین مقام و مرتبہ کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بلا کا حافظہ بھی دیا تھا اور حدیث نبوی کو محفوظ کرنے کا شوق بھی جنون کی حد تک تھا۔ علاوہ ازیں انہیں جن نامور شخصیات سے علم حدیث حاصل کرنے کا موقع ملا ان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سہل بن سعد رضی اللہ عنہما جیسے اکابر صحابہ اور سعید بن میبب محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ جیسے تابعین شامل ہیں۔ حدیث کے نامور ائمہ، امام اوزاعیؒ، امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ آپ ہی کے فیض یافتہ تلامذہ میں شامل ہیں۔(۱)

کہا جاتا ہے کہ حدیث کو سند کے ساتھ بیان کرنے کی ابتداء بھی ابن شہاب زہریؒ نے کی، یہی وجہ ہے کہ آپ کو علم اسناد کا واضع بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ (۲) یوں صحابہ کرام تابعین اور بالخصوص مذکورہ بالا حضرات ائمہ نے جو کاوشیں بروئے کار لائیں یہ تدوین حدیث کا دور اول ہے۔

اسی دور کے دوسرے اہل علم نے پورے بلادِ اسلامیہ میں تدوین حدیث کا کام شروع کردیا چنانچہ عبدالملک بن جریج (م ۱۵۰ھ) نے مکہ میں، امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) نے شام میں، معمر بن راشد (م ۱۵۳ھ) نے یمن میں، امام اعظم ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) اور امام سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) نے کوفہ میں ربیع بن صبیح (م ۱۶۰ھ) اور امام حماد بن سلمہ (م ۱۶۷ھ) نے بصرہ میں امام عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) نے خراسان میں اور عبداللہ بن وھب (م ۱۹۷ھ) نے مصر میں جمع و تدوینِ حدیث کے مقدس مشن کا آغاز کردیا۔

کوفہ چونکہ حضرت علیؓ کا دارالخلافہ بن چکا تھا اس لئے مدینہ منورہ کے بعد اہل علم صحابہ اور تابعین یہاں آکر آباد ہوگئے تھے جن میں عبداللہ ابن مسعودؓ، سعد بن وقاصؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے اکابر صحابہ کے نام بطور خاص

Scanned with CamScanner

قابل ذکر ہیں جن کی صحبت و مجلس میں پروان چڑھنے والے ائمہ میں سراج الامۃ حضرت امام ابوحنیفہ بطور خاص قابل ذکر ہیں جنہوں نے اپنی سند سے جو احادیث روایت کیں ان کے تلمیذ رشید امام محمد، امام ابو یوسف امام حسن بن زیاد وغیرہ نے ''الآثار'' کے نام سے مرتب کیں۔ امام اعظم نے یہ کتاب ترتیب و تبویب کی عمدہ شکل میں مرتب کروائی، یہی وجہ ہے کہ بعض محققین اسی کتاب کو حدیث کی پہلی باقاعدہ تصنیف قرار دیتے ہیں۔ امام سیوطی حافظ مغلطائی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ''وہ کئی ائمہ کی طرح موطا کو حدیث کی پہلی مرتبہ کتاب قرار دیتے ہیں لیکن میرے نزدیک کتاب الآثار موطا سے پہلے کی تصنیف ہے جس سے خود موطا کی تالیف میں استفادہ کیا گیا۔(۳)

امام سیوطی نے اسی موقف کو تبییض الصحیفہ میں یوں دہرایا۔

من مناقب أبی حنیفة التی انفرد بها إنه أول من دَوَّنَ علم الشریعة ورتبه أبوابا ثم تبعه مالک بن أنس فی ترتیب الموطأ ولم یسبق أبا حنیفة أحد.(۴)

''امام ابوحنیفہؒ کے ان خصوصی مناقب میں، جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کو ابواب میں مرتب کیا پھر امام مالک بن انسؓ نے موطا کی ترتیب میں ان کی پیروی کی اور اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں''۔

مدینہ منورہ میں ترتیب و تدوین احادیث کا جو کام امام زہری نے شروع کیا تھا اس کو آپ کے مایہ ناز تلامذہ نے آگے بڑھایا حتی کہ دوسری صدی ہجری کے آخیر میں ان کے نامور شاگرد امام مالک بن انسؓ نے فقہی ترتیب پر پہلا منظم مجموعہ ''موطا'' کے نام سے پیش کردیا۔ امام مالک کو مدینہ منورہ میں موجود جن جلیل القدر مشائخ سے حصول علم کا موقعہ ملا ان کی تعداد 9 سو سے زائد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے چشمہ علم سے دور دراز تک اہل اسلام کو مستفید فرمایا چنانچہ حجاز کے علاوہ شام، عراق، یمن، فلسطین، مصر، افریقہ، اندلس اور بخارا و سمرقند سے جو تلامذہ حاضر ہوتے رہے ان میں لیث بن سعد (م ۱۵۷ھ)، ابن مبارک (م ۱۵۱ھ)، امام شافعی (م ۲۰۴ھ) اور امام محمد بن حسن الشیبانی (م ۱۸۹ھ) جیسے مشاہیر قابل ذکر ہیں۔ دوسری صدی کے اس نصف آخر میں ان آئمہ نے جو مجموعہ ہائے حدیث مرتب فرمائے ان میں سفیان ثوری، عبداللہ ابن مبارک، امام اوزاعی اور ابن جریج کی جوامع، امام شافعیؒ کی کتاب الام اور امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں مگر جو شہرت اور قدر و منزلت امام مالکؒ کی ''موطا'' کو حاصل ہوئی وہ اس دور کی کسی اور کتاب کے حصے میں نہ آئی۔ اس کے کئی اسباب میں سے امام مالک کی شخصیت، علمی تبحر اور ان کا اخلاص تقویٰ اور صاحب حدیث حضور سرور کائنات ﷺ سے بے پناہ محبت کا عنصر غالب ہے۔ تدوین حدیث کا یہ دور جو دوسری صدی کے نصف تک جاری رہا یہ دور ثانی ہے۔

تدوین حدیث کا سنہری دور

تدوین حدیث کا تیسرا دور دوسری صدی ہجری کے نصف آخر سے چوتھی صدی ہجری کے خاتمے تک پھیلا ہوا ہے۔ اڑھائی سو سالہ یہ عرصہ، تدوین حدیث کی تاریخ کا سب سے سنہری دور ہے جس میں محدثین نے اپنی ان تھک کاوشوں سے احادیث رسول ﷺ کے علم کو بام عروج تک پہنچایا۔ ان کاوشوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں مختلف شعبوں میں نمایاں کارناموں کی طویل فہرست ملے گی۔ جن میں سے چند ایک کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

☆ رواۃ حدیث کی چھان بین کے بعد اسی دور میں صحاح ستہ، مسند الدارمی، مسند امام احمد بن حنبل مصنف عبدالرزاق صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان جیسی معیاری اور معتبر کتب حدیث مرتب ہوئیں۔ جن میں گذشتہ صدی کی کتب خود بخود سمٹ آئیں۔

☆ احادیث نبوی ﷺ کو آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے الگ کر کے مرتب کیا جانے لگا۔

☆ نامور فقہاء کے اجتہادات اور مسائل کی تدوین و ترتیب کی روشنی میں محدثین نے احادیث مبارکہ کو فقہی ابواب اور واضح عنوانات (ترجمۃ الابواب) کے ساتھ مرتب کرنا شروع کر دیا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اس کی بہترین مثال ہیں۔

☆ اسی دور میں علم اصول حدیث مدون ہوا جس کی روشنی میں مصطلحات حدیث وضع ہوئیں، صحت اور ضعف اور ردو قبول کے اصول وضوابط متعین کئے گئے اور سینکڑوں کتب لکھی گئیں جن کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔

☆ علم ''غریب الحدیث'' کی بنیاد پڑی جس کے تحت احادیث مبارکہ کے مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق کی گئی تاکہ فتوحات کے نتیجے میں اسلام قبول کرنے والے غیر عرب مسلمانوں کے لئے احادیث کی تفہیم کو ممکن بنایا جاسکے۔ اس سلسلے میں تیسری صدی ہجری سے لے کر اب تک درجنوں کتب لکھی گئی ہیں، جن میں ابوعبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)، امام ابراہیم بن اسحاق الحربی (م ۲۸۵ھ)، ابوسلیمان بن محمد بن ابراہیم الخطابی البستی (م ۳۸۸ھ)، ابوعبید احمد بن محمد الهروی (م ۴۰۱ھ)، ابو القاسم جار اللہ الزمخشری (م ۵۳۸ھ)، محمد بن ابی بکر اشعری مدینی (م ۵۸۱ھ)، علامہ ابن جوزی (م ۵۹۷ھ)، امام ابن اثیر (م ۶۰۶ھ)، امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) اور محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) کی کتب بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

حدیث کی حفاظت اور چھان بین کے لئے محدثین کرام نے درجنوں علوم کی بنیاد ڈالی جن پر اب تک کام جاری ہے اور ہزاروں کتب کا بے مثال ذخیرہ ہماری علمی تاریخ میں اضافے کا باعث بنا۔ اس دور میں شروع ہونے والے علوم حدیث میں سے علم اسماء الرجال، تاریخ الحدیث، علم جرح والتعدیل، علم الأنساب، تخریج الحدیث، علم معرفۃ الأسماء والکنی اور علم الطبقات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ اختصار کے پیش نظر قارئین کی دلچسپی کے لئے ہم صرف علم اسماء الرجال کا اجمالی تذکرہ کررہے ہیں۔

علم اسماء الرجال اور اس کی خصوصیت

مختلف باطل فرقوں کی طرف سے بپا کی جانے والی شرانگیزیوں کا تدارک کرنے کے لئے محدثین نے کڑے معیار متعین فرمائے اور اپنی زندگیاں ان اصولوں کی پرورش و نگہداشت کے لئے وقف کر دیں۔ علم اسماء الرجال کے تحت کم وبیش 5 لاکھ راویوں کے حالات، پیدائش، وفات ان کے اخلاق، طرز زندگی، اساتذہ، تلامذہ اور دیگر شواہد پر مشتمل ایسا ذخیرہ علم ہے جس کی وسعت، پختگی اور تسلسل پر غیر مسلم اہل علم آج تک انگشت بہ دندان ہیں۔ یہ دراصل حضور ﷺ کے معجزات اور آپ ﷺ کے فضائل کا حصہ ہے کہ جنہوں نے اپنے آقا نبی آخرالزمان ﷺ کے افعال اقوال اور سنت کی حفاظت کے لئے خود کو وقف کر دیا اللہ پاک نے حضور ﷺ کے فیضان کرم کے طفیل ان پانچ لاکھ افراد کو بھی تاریخ میں زندہ و جاوید کر دیا۔ ان پانچ لاکھ ''رجال حدیث'' میں تقریباً ۱۳ ہزار وہ شخصیات ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور آپ سے روایت سن کر آگے بیان فرمائی، علامہ شبلی نعمانی نے اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہوئے بڑا خوبصورت تبصرہ کیا ہے۔

"""مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر ﷺ کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف استقصار کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلم بند نہیں ہوسکے اور نہ آئندہ اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہوسکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال کی تحقیق کی غرض سے آپ ﷺ کو دیکھنے والوں اور ملنے والوں میں سے تقریباً تیرہ ہزار شخصیتوں کے نام اور حالات قلم بند کئے گئے اور یہ اس زمانے میں ہوا جب تصنیف وتالیف کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا"۔(۵)

عظمت تو وہ ہے جس کا اعتراف مخالفین کریں، مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر سپرنگر نے "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" کے ایڈیشن طبع ۱۸۸۶ کے مقدمے میں لکھا۔

"کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت پانچ لاکھ مسلمانوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے"۔(۶)

متن حدیث کے ساتھ ساتھ سند کی تحقیق کے لئے فنِ علمِ الرجال کا ارتقاء ہوتا رہا اور اس پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری میں علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ) نے "کتاب العلل" میں، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) نے "کتاب العلل ومعرفۃ الرجال" میں، امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے "تاریخ" میں، امام مسلم (م ۲۶۱ھ) نے "مقدمہ صحیح مسلم" میں اور امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) نے "کتاب العلل" میں رجال پر شاندار کام اسی دور میں سرانجام دیا۔

تیسری صدی ہجری میں علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ) نے "کتاب العلل" میں، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) نے "کتاب العلل ومعرفۃ الرجال" میں، امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے "تاریخ" میں، امام مسلم (م ۲۶۱ھ) نے "مقدمہ صحیح مسلم" میں، امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) نے "کتاب العلل" میں اسماء الرجال پر اسی ابتدائی دور میں کام شروع کردیا تھا۔

چوتھی صدی ہجری میں اس فن پر کام کرنے والے درج ذیل لوگ ہیں امام نسائی (م ۳۰۳ھ) نے "کتاب الضعفاء والمتروکین" اور محمد بن احمد حماد الدولابی (م ۳۱۰ھ) نے "کتاب الاسماء والکنی" تصنیف کی اس کتاب میں راویان حدیث کے ناموں اور کنیتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ) "کتاب الجرح والتعدیل" کے مصنف ہیں اس کا مقدمہ قابل دید ہے اس کے علاوہ "کتاب الکنی" اور "کتاب المراسیل" بھی ان کی تصانیف ہیں جو اسی موضوع پر مشتمل ہیں۔ امام محمد بن حبان بستی (م ۳۵۴ھ) نے "کتاب الثقات" اور "کتاب المجروحین" لکھی ہیں۔ ابو احمد علی بن عدی بن علی قطان (م ۳۶۵ھ) نے فن اسماء الرجال پر "الکامل فی ضعفاء الرجال" کے نام سے کتاب لکھی، دارقطنی (م ۳۸۵ھ) نے اپنی "کتاب العلل" میں رجال پر بہت مفید بحثیں کی ہیں۔ امام دارقطنی نے "کتاب الضعفاء" بھی تالیف کی جو چھپ چکی ہے۔ اسی طرح ان کی کتاب "الموتلف والمختلف" بھی چھپ چکی ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں ابو یوسف بن عمر بن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) اور خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) نے بھی اسماء الرجال پر بہت کام زیادہ کیا۔

چھٹی صدی ہجری کے مؤلفین رجال میں سے امام بیہقی (م ۵۵۸ھ) امام ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) ہیں۔ اس کے علاوہ معروف محدث عبدالغنی مقدسی (م ۶۰۰ھ) نے "الکمال فی اسماء الرجال" لکھی۔

ساتویں صدی ہجری میں امام نووی (م ۶۷۶ھ) نے اس فن پر گراں قدر کام کیا۔ ان کی کتاب "تہذیب الاسماء واللغات" بہت معروف ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں حافظ یوسف بن زکی مزی (م ۷۴۲ھ) اور حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے "تاریخ اسلام"، "سیر اعلام النبلا" اور "تذکرۃ الحفاظ" میں اور ابوالفداء عمادالدین ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے "البدایہ والنہایہ" میں رجال پر شاندار کام کیا۔

نویں صدی ہجری میں حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے اس فن پر اس حد تک گراں قدر کام کیا کہ رواۃ پر حکم کے معاملے کو حتمی شکل دے دی۔ ان کی کتب میں "الاصابہ فی تمییز الصحابہ"، "تہذیب التہذیب" اور "تقریب التہذیب" بہت معروف ہیں۔ تقی الدین بن فہد (م ۸۷۱ھ) نے بھی اس فن پر قابلِ ذکر کام کیا۔

دسویں صدی ہجری میں شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ) اور امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے بھی اس فن پر کام کیا۔

گیارھویں صدی ہجری کے رجال کے متعلق محمد المحبی نے "خلاصہ الاثرفی اعیان القرن الحادی عشر" لکھی اور بارھویں صدی ہجری میں اسماء الرجال کے متعلق ابوالفضل محمد خلیل بن علی المرادی (م ۱۲۰۶ھ) نے "سلك الدررفی اعیان القرآن الثانی عشر" لکھی۔ (۷)

چنانچہ اس فن اسماء الرجال پر تحقیق کا یہ سلسلہ پہلی صدی ہجری سے لے کر اب تک جاری ہے۔ اس کی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ راقم جب جامعہ الازہر میں زیر تعلیم تھا تو قاہرہ میں شیخ احمد المہندس کی ذاتی لائبریری میں Ph.D کے کام کے سلسلے میں آنا جانا رہتا تھا شیخ احمد جو کوئی عالم دین نہیں بلکہ ایک ضعیف العمر انجینئر تھے انہوں نے ۴۵ ضخیم جلدوں میں اسماء الرجال کا ایک "موسوعہ" تیار کیا تھا اس کے قلمی نسخے سے محققین استفادہ کر رہے تھے لیکن یہ کتاب تاحال طبع نہیں ہو سکی تھی۔

کتب احادیث کے طبقات

محدثین نے روایات کی صحت وقوت کے لحاظ سے ان ادوار میں تیار ہونے والی تمام کتب حدیث کو چار طبقات پر تقسیم کیا ہے۔

☆ طبقہ اولیٰ میں موطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم تینوں کتابیں شامل ہیں جو صحت سند اور راویوں کی ثقاہت کے اعتبار سے اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔

☆ طبقہ ثانیہ میں سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی شامل ہیں کیونکہ ان کتابوں کے بعض راوی ثقاہت کے اعتبار سے طبقہ اولیٰ کے مقابلے میں کمزور ہیں لیکن ان کو بہر حال قابل اعتماد مانا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ) نے موطا امام مالک کو اپنی تحقیق کے مطابق صحیحین سے بھی بہتر درجہ دیا ہے۔ (۸)

☆ طبقہ ثالثہ میں سنن دارمی (۲۲۵ھ)، سنن ابن ماجہ (۲۷۳ھ)، سنن بیہقی (۴۵۷ھ)، سنن دار قطنی (۳۸۵ھ) طبرانی کی معاجم (۳۶۰ھ) امام طحاوی کی کتب (۳۲۱ھ) مسند شافعی (۲۰۴ھ) اور مستدرک حاکم (۴۰۵ھ) شامل کی جاتی ہیں۔ ان کتابوں میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر قسم کی روایات موجود ہیں لیکن قابل اعتماد روایات کا عنصر غالب ہے۔

☆ طبقہ رابعہ میں ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) ابونعیم (۴۰۳ھ) ابن عساکر (۵۷۱ھ) دیلمی (۵۰۹ھ) ابن عدی (۳۶۵ھ) ابن مردویہ (۴۱۰ھ) واقدی (۲۰۷ھ) اور اسی نوع کے دوسرے مصنفین کی کتابیں شامل ہیں۔ ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک یہ تالیفات زیادہ تر کمزور اسناد سے مروی روایات کا مجموعہ ہیں لیکن ان

کمزوریوں اور تسامحات سے ہٹ کر یہی کتب، تاریخ، اخلاقیات اور علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ عصر حاضر میں یہ کتب بھی نئی تحقیق و تخریج کے ساتھ چھپ کر مکتبوں کی زینت بن چکی ہیں اور ان کے حواشی پر محققین نے ان کی صحت و ضعف کی نشاندہی کردی ہے۔

کتب احادیث کی اقسام

تدوین احادیث کا چوتھا دور پانچویں صدی ہجری کے نصف آخر کے بعد شروع ہوتا ہے اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سند کی تحقیق کا کام مکمل ہوچکا تھا اس لئے اس دور میں مرتب کی جانے والی کتب میں سند اور مکررات کو حذف کردیا گیا ہے۔

اپنی روایت اور سند کے ساتھ احادیث جمع کرنے والے محدثین کرام میں آخری کڑی کے طور پر امام بیہقی (م ۴۵۷ھ) بطور خاص قابل ذکر ہیں یعنی ان پر روایت و تخریج کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اور ان کے بعد جتنے ائمہ نے کام کیا انہوں نے مندرجہ بالا مرتب مجموعوں سے ہی نئی تبویب و ترتیب اور ضرورت کے تحت احادیث جمع کیں اور مذکورہ بالا علوم حدیث کے تحت مزید بہتر مجموعے تیار ہوئے۔ اہم کتب کی شروحات، حواشی اور تلخیص پر کتب کا آغاز ہوا اور الگ موضوعات پر مستقل کتب وجود میں آنے لگیں۔

کتب حدیث کو ہم درج ذیل عنوانات دے سکتے ہیں مثلاً کتب المسانید، کتب السنن، کتب المستدرکات، کتب المستخرجات، کتب غریب الحدیث، کتب الاطراف، کتب الامالی، کتب الزھد، کتب التشریحات، کتب المختصرات، کتب المنتخبات اور کتب الاربعین۔ ان کتب احادیث کی ہر قسم میں درجنوں کتب ہیں جن کے یہاں نام گنوانے بھی مشکل ہیں اس لئے ہم اپنے موضوع سے متعلق صرف آخری قسم یعنی ''المنتخبات فی الحدیث'' کی چند مثالیں دے رہیں ہیں۔

کتب منتخبات الحدیث

بے شمار مصنفین نے منتخبات پر کام کیا اور خاص طور پر صحاح ستہ کے خلاصے لکھے۔ بطور خاص صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے احادیث کا انتخاب کیا گیا۔

۱۔ پہلے شخص جنہوں نے الجمع بین الصحیحین لکھی وہ ابوعبداللہ محمد بن ابونصر فتوح بن حمید الحمیدی (م ۴۸۸ھ) ہیں۔

۲۔ ابوالحسن زرین بن معاویہ العبدی (م ۵۳۲ھ) نے تجرید الصحاح والسنن مرتب کی۔

۳۔ ابومحمد، عبدالحق اشبیلی (م ۵۸۲ھ) نے الجمع بین الصحیحین لکھی۔

۴۔ ابوعبداللہ محمد بن حسین بن احمد بن محمد الانصاری (م ۵۸۲ھ) نے الجمع بین الصحیحین لکھی۔

۵۔ مجدالدین السبارک بن ابی الکرم محمد بن محمد المعروف ابن الاثیر (م ۶۰۶ھ) نے الجامع الاصول من احادیث الرسول لکھی جو کہ رزین بن معاویہ کی کتاب کا تکملہ تھی۔

۶۔ ابوعبداللہ محمد بن عتیق بن علی الغرناطی (م ۶۴۶ھ) نے کتاب ''انوار المصابیح فی الجمع بین الکتب الستہ الصحاح'' لکھی۔

۷۔ رضی الدین حسن بن محمد الصاغانی (م ۶۵۰ھ) نے صحیحین سے ''مشارق الأنوار النبوية من صحاح الأخبار المصطفوية'' مرتب کی۔

۸۔ شرف الدین ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن عبدالرحیم بن ابراہیم (م ۷۳۸ھ) نے "تجرید جامع الاصول من احادیث الرسول" لکھی یہ بھی ابن اثیر کے کام کا اختصار ہے۔

۹۔ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر المعروف ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے کتاب "جامع المسانید" لکھی انہوں نے صحاح ستہ کے ساتھ مسند احمد، مسند البزار، مسند ابویعلی اور المعجم الکبیر للطبرانی وغیرہ کتب سے بھی احادیث لیں۔

۱۰۔ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی (۸۰۷ھ) نے کتاب "مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" میں ان حدیثوں کو جمع کیا جو مسند احمد، مسند ابویعلی، مسند البزار اور طبرانی کی معاجم میں ہیں لیکن صحاح ستہ میں نہیں۔

۱۱۔ ابو طاہر مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) نے کتاب "تحصیل طریق الوصول الی احادیث الزائدہ علی جامع الاصول" لکھی۔

۱۲۔ حافظ جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ) نے "جمع الجوامع" مرتب کی جس میں صحاح ستہ اور موطا امام مالک کی تمام مرویات کو حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ جمع کیا۔

۱۳۔ ابو ضیاء وجیہ الدین، عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن عمر المعروف ابن دیبع (م ۹۴۴ھ) نے "تیسیر الوصول الی جامع الاصول" لکھی جو کہ ابن اثیر کے کام کا خلاصہ ہے۔

۱۴۔ علاء الدین علی المتقی الہندی (م ۹۷۵ھ)، کنز العمّال في سنن الأقوال والأفعال

۱۵۔ محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) نے ابن اثیر کے کام کی مزید تلخیص کی۔

۱۶۔ محمد بن محمد بن سلیمان (م ۱۰۹۴ھ) نے "جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد" میں مجمع الزوائد، جامع الاصول اور سنن دارمی کی احادیث کو جمع کیا۔ اس طرح سے یہ کتاب ۱۴ کتابوں کا مجموعہ بن گئی۔

۱۷۔ منصور بن علی ناصف نے "التاج الجامع للأصول" لکھی۔ اس میں انہوں نے ابن ماجہ کو چھوڑ کر باقی پانچ کتابوں کی احادیث کو اسناد کے بغیر جمع کیا۔

۱۸۔ محمد فواد عبدالباقی نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ احادیث پر مجموعہ اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیھا الشیخان کے نام سے اسی دور میں مرتب کیا۔

☆ کچھ لوگوں نے صرف احکام پر کتب مرتب کیں ان میں چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۹۔ ابو محمد عبدالحق الاشبیلی کی (م ۵۸۲ھ)، کتاب الاحکام الشریعۃ الکبریٰ

۲۰۔ تقی الدین ابو محمد عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی (م ۶۰۰ھ) نے کتاب عمدۃ الأحکام مرتب کی۔

۲۱۔ عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم بن تیمیہ (م ۶۵۳ھ) (جو کہ معروف علامہ ابن تیمیہ کے دادا ہیں) نے المنتقی من اخبار المصطفی لکھی۔

۲۲۔ محمدؒ بن علی المعروف ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) نے احکام الاحکام شرح عمدۃ الأحکام لکھی۔

۲۳۔ احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام لکھی۔

۲۴۔ محمد بن اسماعیل الامیر الصعانی (م ۱۱۸۲ھ) نے سبل السلام شرح بلوغ المرام لکھی۔

۲۵۔ محمد بن علی الشوکانی (م ۱۲۵۵ھ) نے نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار لکھی۔

☆ بعض لوگوں نے تقویٰ، پرہیزگاری آداب واخلاق اور زہد پر کتب جمع کیں جن میں سے درج ذیل قابل ذکر ہیں:

۲۶۔ ذکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (م ۶۵۶ھ) نے چار جلدوں میں الترغیب والترہیب لکھی۔
۲۷۔ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی (م ۶۷۶ھ) نے ریاض الصالحین لکھی اس کتاب میں آداب سے متعلق احادیث جمع کیں۔ اس کتاب کو بھی شہرت دوام ملی۔
۲۸۔ ابومحمد شرف الدین الدمیاطی (م ۷۰۵ھ) نے ''المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح'' مرتب کی۔
۲۹۔ ولی الدین خطیب التبریزی (م ۷۴۱ھ) نے ''مشکوۃ المصابیح'' میں امام بغوی کی مصابیح السنہ کے علاوہ دیگر کتب سے احادیث کو منتخب کیا اس کتاب کو پوری دنیا میں بالعموم اور برصغیر پاک وہند میں بالخصوص بہت زیادہ سراہا گیا اور تقریباً ہر دینی ادارے کے نصاب کا حصہ بنایا۔ عربی اور فارسی میں اس کی دو شروحات (لمعات التنقیح اور اشعۃ اللمعات) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۴ھ) نے لکھیں اور ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے مرقاۃ المفاتیح کے نام سے اس کی شرح لکھی۔

برصغیر میں شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بعد خدمت حدیث کا سہرا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے سر سجا رہا۔ ان کے وصال کے بعد ان کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ مسند حدیث کی زینت بنے رہے اور انہوں نے بھی نصف صدی سے زائد عرصہ خدمتِ حدیث کی۔ خاندان ولی اللٰہی کے علاوہ علماء سند علماء بریلی، علماء دیوبند علماء بدایوں، علماء لکھنو اور موجودہ پاکستان میں ہر مکتبہ فکر میں حدیث رسول ﷺ پر مقدور بھر کام ہوتا رہا اور اب بھی ہو رہا ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ گذشتہ پانچ چھ صدیوں کے دوران برصغیر سمیت بلادِ عرب وعجم میں سینکڑوں اجل محدثین نے ہر صنف حدیث پر کتب تحریر کیں اور اب بھی ان ممالک میں الحمدللہ دن رات کام ہو رہا ہے لیکن کوئی ایسا منتخب مجموعہ احادیث منظر عام پر نہیں آسکا جس کو مشکوٰۃ یا ریاض الصالحین کی طرح شہرت اور قبول عام مل سکا ہو۔ عرب ممالک میں امہات الکتب کے نت نئے خوبصورت محققہ ایڈیشن آرہے ہیں۔ جامعات و مدارس میں احادیث کی تخریج وتحقیق پر بھی شاندار کام ہو رہا ہے مگر آسان فہم پیرائے میں عوام وخواص کی ضرورت کی تکمیل کے لئے کوئی ایسی قابل ذکر کوشش نہ ہوسکی۔ یہ توفیق اور سعادت اللہ پاک نے موسس تحریک منہاج القرآن کے لئے مختص کردی کہ انہوں نے اصلاح احوال امت کے لئے دین کے حقیقی سرچشموں سے اکتساب فیض کیا اور تعلیمات قرآن وسنت کو عصری ضرورتوں کے سانچوں میں ڈھال کر پیش کرنا شروع کیا۔ آپ کی خدمت حدیث پر روشنی ڈالنے سے قبل آیئے جائزہ لیتے ہیں کہ عصر رواں میں حدیث مبارکہ کے حوالے سے کن کن میدانوں میں کام کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جاسکے کہ بانی تحریک منہاج القرآن نے حدیث مبارکہ کی خدمت فی الواقع وقت کی ضرورت کے عین مطابق شروع کی ہے۔

عصر حاضر میں مطالعہ حدیث کا مطلوبہ منہج

آج زندگی نئے ادوار ومقتضیات میں داخل ہوچکی ہے۔ ہر دور کی طرح آج کی حشر سامانیوں کا مقابلہ بھی اہل علم رجال دین کا فرض ہے۔ آج جس طرح قرآن کی تشریحات، اطلاقات اور مفاہیم کی تعبیر نو وقت کا تقاضا ہے اسی طرح احادیث نبوی ﷺ جو اسلام کا دوسرا بڑا ماخذ اور ذریعہ عمل (Source of Inspiration) ہے اس کی حقانیت اور حجیت مسلّم کرنے کی کہیں زیادہ ضرورت ہے اور اس کی کئی بنیادی وجوہات ہیں۔

☆ پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی قطعیت، آفاقیت اور حجت امر ثابتہ ہے اگرچہ مبغضین اسلام اس پر بھی اظہار

تشکیک سے باز نہیں آئے لیکن قرآن کی حقانیت و صداقت پر اعتراض کرنے والوں کے مقابلے میں احادیث و سنت نبوی ﷺ کی حجیت و متابعت پر انگلی اٹھانے والوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔

☆ احادیث نبویہ پر کام کرنے کی ضرورت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ نسل نو جدید علوم و افکار سے متاثر ہو رہی ہے۔ ان کے ذہنی افق پر جدید مادی اور الحادی افکار و نظریات کی چھاپ نمایاں ہو رہی ہے جس کے مظاہر روزمرہ حالات و واقعات میں عیاں ہیں۔ ایسے میں ذہن جدید کی تسکین، اضطراب اور تشکیک کا اعلاج قرآن حکیم کے بعد حدیث نبوی ﷺ سے ہی ممکن ہے۔

☆ احادیث کا ذخیرہ امت مسلمہ کے پاس ایک نعمت خداوندی ہے جس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔ یہ علوم اور معارف کی ایک مستند تاریخ ہے جس سے قیامت تک ہر دور کا انسان مستفیض ہوتا رہے گا۔ انسانی علوم کے ماہرین نے ہر دور میں وحی کی احتیاج اور ضرورت محسوس کی ہے۔ یہ دور سائنسی علوم کی معراج اور ارتقاء کا دور ہے آج کا انسان اپنی علمی انتہاؤں پر پہنچ کر بھی علم بالوحی کے بغیر حقیقت مطلقہ تک رسائی سے قاصر ہے اس لئے نام نہاد ترقی کی منزلیں طے کرنے والی انسانیت کے لئے ہدایت ربانی کے اس رسول ساختہ نظام اور دستور کی معرفت بہت ضروری ہے۔

☆ قرآن حکیم کی طرح حدیث نبوی ﷺ بھی تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے۔ ہر دور کے انسان نے اس سرچشمہ صافی سے راہنمائی حاصل کی۔ آج علوم معاشرت (Social Sciences)، علوم سائنس Natural Sciences علوم الاقتصاد (Economics) علوم طب Medical Sciences اور دیگر علوم کی نئی نئی جہتیں سامنے آ رہی ہیں۔ نئی تہذیب اور ثقافت جنم لے رہی ہے مسلم تاریخ ایک بالکل نئے موڑ پر آ پہنچی ہے جہاں اسے نئے مسائل اور نئے چیلنج درپیش ہیں۔ ان مسائل اور چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں وہی نور وہی یقین اور وہی وثوق اور عرفان درکار ہے جو ہر دور میں اہل ایمان کا طرہ امتیاز رہا ہے اور اس کا حصول قرآن و سنت جیسے یقینی علم کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ سیاست، معیشت، معاشرت، تربیت، تجارت اور تدریس و تعلیم جیسے بنیادی موضوعات پر نئے سرے سے حدیث نبوی کے محققہ مجموعے مرتب کئے جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ آج کل ہمارے مذہبی، تعلیمی اداروں اور خصوصاً جامعات میں اس نوعیت کے منتخبات پر کام ہو رہا ہے مگر۔۔ امتحانی ضرورت اور مخصوص تحقیقی نقطہ نظر سے ہٹ کر عامۃ الناس کی ضرورت اور افادیت کو سامنے رکھا جانا زیادہ ضروری ہے۔

☆ متون حدیث کی ترتیب نو کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ احادیث کے مفاہیم و معانی اور تشریح کو دور جدید کے تناظر میں لایا جائے کیونکہ پرانی شرحیں پرانے پس منظر میں لکھی گئیں، اب وہ حالات نہیں اس لئے پرانا اسلوب اپنے اندر وہ افادیت نہیں رکھتا۔ مثلاً مختلف فرقوں اور باطل مذاہب کی طرف سے اعتراضات وارد کئے گئے تو ان کا جواب احادیث سے دیا گیا لیکن ان مذاہب اور افکار میں سے اب اکثر ختم ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ اب نئے اعتراضات اور جدید مسائل نے لے لی ہے۔ جیسے یونانی فلسفہ ایک عرصے تک ذہنوں پر چھایا رہا لیکن اب ختم ہو گیا ہے مگر اس کی جگہ مغربی علوم کی چھاپ ہماری ثقافت پر گہری ہوتی جا رہی ہے لہٰذا اب ان فلسفیانہ اور منطقی ابحاث کی ضرورت نہیں رہی بلکہ نئے چیلنجز کو نئے انداز سے Address کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ عام مسلمانوں میں کچھ غلط فہمیاں دورِ زوال کا تحفہ ہیں اور کچھ تنازعات کے پیچھے باقاعدہ منصوبہ بندی کارفرما ہے۔ خصوصاً عقائد میں ایسے اختلافات جو انسان کو مرنے مارنے پر ابھارتے ہیں جن کی وجہ سے اسلامی جمعیت منتشر بھی

Scanned with CamScanner

ہو رہی ہے اور باطل استعمار کو اس اختلاف و انتشار سے فوائد بھی حاصل ہو رہے ہیں۔ اس کی واضح مثال موجودہ دور کے متشددانہ رجحانات کا فروغ ہے جس کے ردعمل میں اسلام کا تاثر (Image) عالمی سطح پر نہایت ہی متنازعہ ہو چکا ہے۔ اسلام کے خلاف بڑی سے بڑی جنگ بھی اتنا نقصان نہیں کر سکتی تھی جتنا ایک دہشت گردی کے الزام نے اس کا چہرہ مسخ کر دیا ہے۔ بلاشبہ اس تاثر کو زائل کرنا بھی اس دور کا ایک بڑا مسئلہ اور اسلام کی بہترین خدمت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن و سنت کی صحیح تعلیمات اپنے حقیقی رنگ میں پیش کرنے سے یہ تاثر بھی اپنی موت آپ مرجائے گا۔

حدیثِ نبوی ﷺ کی ترویج میں نمایاں خدمات

مندرجہ بالا حقائق سے واضح ہو جاتا ہے کہ عصر حاضر میں خدمت حدیث کا کتنا وسیع سکوپ موجود ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام مجدد الدین والملۃ ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ جیسے دانا و بینا شخص کی نظروں سے یہ میادین علم و فکر اوجھل نہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیات بھی مرحمت فرمائی ہے کہ وہ محض علمی ذخیرے جمع نہیں کرتے بلکہ امت مسلمہ کا ایک قابل ذکر حصہ خصوصاً نئی نسل ان سے مانوس بھی ہے اور ان کے اشارہ ابرو پر جان بھی چھڑکتی ہے۔ ان کے مواعظ حسنہ اور علمی و تحقیقی نشریات سے ایک جہان مستفیض ہو رہا ہے۔ یوں تو انہوں نے تفسیر سیرت، تصوف، سائنس، معاشیات، سیاسیات، عمرانیات اور فکریات پر بے مثال ذخیرہ سمعی، بصری اور کتابی شکل میں قوم کو دیا ہے اور یہ مقدس مشن اب بھی جاری ہے لیکن احادیث نبوی ﷺ کی خدمت کے محاذ پر جتنی عرق ریزی اور جانفشانی سے انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے یہ توفیق ہمارے دور میں عرب و عجم کے کسی شخص کے حصے میں نہیں آئی۔ بلاشبہ ان کی مجتہدانہ شان اور علمی منصب اس بات کا متقاضی بھی تھا کہ وہ اس بنیادی دینی ضرورت کی طرف متوجہ ہوتے۔ ذیل میں ان کی چند اہم کتب حدیث کا نام اور بعض کا مختصر تعارف دیا جا رہا ہے۔

۱. المنهاج السوی من الحديث النبوی
۲. الأربعين فی فضائل النبی الأمين ﷺ
۳. الأربعين بشری للمومنين فی شفاعة سيد المرسلين ﷺ
۴. البدر التمام فی الصلوة علی صاحب الدنو والمقام ﷺ
۵. أحسن السبل فی مناقب الأنبياء والرسل
۶. العقد الثمين فی مناقب أمهات المومنين
۷. غاية الإجابة فی مناقب القرابة (اہل بیت اطہار کے فضائل و مناقب)
۸. القول الوثيق فی مناقب الصديق رضی اللہ عنہ
۹. القول الصواب فی مناقب عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ
۱۰. روض الجنان فی مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
۱۱. كنز المطالب فی مناقب علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ
۱۲. السيف الجلی علی منكر ولايت علی رضی اللہ عنہ (اعلانِ غدیر)
۱۳. الدرة البيضاء فی مناقب فاطمة الزهراء سلام اللہ علیہا

۱۴. مرج البحرين فی مناقب الحسنين علیہما السلام
۱۵. كنز الإنابة فی مناقب الصحابة (صحابہ کرام کے فضائل و مناقب)
۱۶. القول المعتبر فی الامام المنتَظر علیہ السلام (امام مہدی علیہ السلام)
۱۷. روضة السالكين فی مناقب الأولياء والصالحين
۱۸. الكنز الثمين فی فضيلة الذكر والذاكرين
۱۹. العبدية فی الحضرة الصمدية (آداب و حقوقِ بندگی)
۲۰. اللباب فی الحقوق والاداب (انسانی حقوق و آداب سے متعلق مجموعہ احادیث)
۲۱. البينات فی المناقب والكرامات (اولیاء اللہ کے فضائل اور ظہور کرامت کا جواز)
۲۲. الصلاة عند الحنفيه فی ضوء السنة النبوية (حضور نبی اکرم ﷺ کا طریقہ نماز)
۲۳. التصريح فی صلاة التراويح (بیس رکعت نمازِ تراویح کا ثبوت)
۲۴. الدعاء بعد الصلاة (نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے کے جواز پر اَحادیث)
۲۵. الإنتباه للخوارج والحروراء (گستاخانِ رسول ﷺ کے بارے میں منتخب احادیث نبوی)

عرفان السنة

۱. كتاب المناقب ۲. كتاب فضائل النبی ﷺ ۳. كتاب شمائل النبی ﷺ
۴. كتاب معجزات النبی ﷺ ۵. كتاب العقائد ۶. كتاب العبادات
۷. كتاب الأحكام ۸. كتاب الآداب ۹. مسند اهل البيت
۱۰. مسند الزواج النبی ﷺ ۱۱. مسند خلفاء الراشدين ۱۲. مسند الامام الاعظم ابی حنيفة
۱۳. كتاب الدعوات السبعة ۱۴. كتاب فضائل الأماكن

مندرجہ بالا مجموعہ ہائے حدیث میں اکثر و بیشتر کتب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر قبولِ عام حاصل کر چکی ہیں۔ تاہم عرفان السنة کا عظیم الشان پراجیکٹ ابھی تک زیرِ تکمیل ہے جس میں کم و بیش پچیس ہزار سے زائد احادیث مبارکہ درج بالا عنوانات کے تحت نئی ترتیب اور مروجہ تخریج کے ساتھ مرتب ہوں گی۔ یہ کام بلاشبہ اس صدی کا ایک نمایاں علمی کارنامہ اور حدیثِ نبوی ﷺ کی شاندار خدمت ہوگی۔ عرفان السنة، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، مندرجہ بالا اہم ترین عنوانات پہ ڈیڑھ درجن سے زائد ضخیم جلدوں پر مشتمل تاریخی اور مستند مجموعہ اَحادیث ہوگا۔ ہر جلد کئی ابواب اور ہر باب متعدد فصول پر مشتمل ہوگا جس کی مکمل منصوبہ بندی ہو چکی ہے، اور حضرت شیخ الاسلام کی زیرِ نگرانی فریدِ ملتؒ ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ کی ایک فاضل ٹیم اس پر دن رات کام کر رہی ہے۔ اس کی نمایاں خصوصیات میں حدیث الباب اور ترجمۃ الباب کی مطابقت، سلیس اُردو ترجمہ، جدید تحقیق و تخریج اور اِنتخابِ حدیث میں موزوں اور صحیح ترین اَحادیث کا چناؤ بہ طور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ اس کی ایک جلد - کتاب المناقب - پر کام مکمل ہو چکا ہے، جب کہ اس کے دیگر اَجزاء مثلاً کتاب الدعوات السبعة جو دعوتِ اِصلاح کے ان سات عناصر پر مشتمل ہے جو تحریک منہاج القرآن کے مقاصد ہیں۔

ان کتب کی فرداً فرداً تفصیلات کو زیرِ بحث لانے کی بجائے صرف نمونے کے طور پر اَوّل الذکر کتاب - المنهاج السوی

من الحدیث النبوی - کی خصوصیات نذرِ قارئین ہیں۔

۱۔ المنہاج السوی من الحدیث النبوی - اِمتیازات وخصوصیات

یہ منتخب مجموعہ 1100 احادیث پر مشتمل ہے۔ اس کے کل 16 ابواب ہیں جن کی ترتیب یہ ہے:

۱. الإیمان والإسلام والإحسان ۲. حکم الخوارج والمرتدین والمتنقصین النبی ﷺ

۳. العبادات والمناسک ۴. کیفیۃ صلاۃ النبی ﷺ ۵. صلاۃ التراویح وعدد رکعاتہا

۶. الدعاء بعد الصلوات المکتوبۃ ۷. الإخلاص والرقائق ۸. فضل العلم والأعمال الصالحۃ

۹. عظمۃ الرسالۃ وشرف المصطفی ﷺ ۱۰. جامع المناقب ۱۱. المعجزات والکرامات

۱۲. شرف ہذہ الامۃ ۱۳. الإعتصام بالسنۃ ۱۴. البر والصلۃ والحقوق

۱۵. الآداب والمعاملۃ ۱۶. الأحادیات والثنائیات والثلاثیات

☆ جیسا کہ عنوانات سے ظاہر ہے اس میں صحت عقائد اور مذہب حنفی کے دلائل کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

☆ نہایت جامع مگر مختصر مجموعہ احادیث ہے جس میں ضروریات دین سے متعلق تمام امور کا احاطہ کیا گیا ہے۔

☆ احادیث کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ہر حدیث صحت کے اعلیٰ معیار کی حامل ہو۔ ان موضوعات پر بلاشبہ کتب احادیث میں کافی ذخیرہ موجود ہے مگر منہاج السوی میں وہی احادیث جمع کی گئی ہیں جو براہ راست موضوع سے متعلق ہوں۔

☆ اسے ہر طبقہ اور ہر مسلک کے لئے برابر باعث کشش بنایا گیا ہے تاکہ بین المسالک پہلے سے موجود خلیج کو وسیع کرنے کی بجائے ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔

☆ ان موضوعات میں سے بیشتر ایسے ہیں جن پر علیحدہ علیحدہ کتب لکھی گئی ہیں لیکن یہاں ایک ہی کتاب میں وہ مستقل عنوانات ابواب کی صورت میں یکجا کردیئے گئے ہیں مثلاً صلاۃ التراویح وعدد رکعاتہا، الدعا بعد الصلاۃ اور حکم الخوارج والمرتدین والمتنقصین النبی ﷺ۔

☆ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت ترجمۃ الابواب ہے۔ یہ بلاشبہ ایک اجتہادی کاوش ہے، اتنے واضح عنوانات کے تحت براہ راست احادیث شاید ہی کسی اور کتاب میں دی گئی ہوں مثلاً اس کے باب نمبر ۹ کا عنوان ہے۔ عظمۃ الرسالہ وشرف المصطفی" یعنی یہ فضائل النبی ﷺ پر مشتمل باب ہے جس میں 10 فصلیں باندھی گئی ہیں اور ہر فصل میں متعدد احادیث ہیں۔ ہر فصل کا عنوان اپنی جگہ ایک مستقل موضوع ہے اور یہ وہی موضوعات ہیں جن پر اکثر وبیشتر مناظرے اور مکالمے جاری رہتے ہیں مثلاً پہلی فصل میں حیات انبیاء کی احادیث جمع کی گئی ہیں۔ دوسری فصل میں حضور ﷺ کے علم اور معرفت کی شان بیان کی گئی ہے۔ اس طرح تیسری فصل میں ہر شخص سے قبر میں حضور ﷺ کے متعلق پوچھے جانے والے سوال کا بیان ہے۔ چوتھی فصل بیان شفاعت پر مشتمل ہے۔ پانچویں فصل حضور ﷺ سے محبت اور صالحین کی صحبت کی فضیلت پر مشتمل ہے۔ چھٹی فصل حضور ﷺ کی ذات اقدس اور آپ ﷺ کے آثار مبارکہ سے حصول تبرک سے متعلق ہے۔ ساتویں فصل میں انبیاء وصالحین سے توسل کا بیان ہے۔ آٹھویں فصل میں امت محمدیہ ﷺ کی فضیلت خصوصیت بیان ہوئی ہے۔ نویں فصل میں حضور ﷺ کی عدم مثلیت کا بیان ہے اور دسویں فصل ایسی احادیث کا مرکب ہے جن میں تعظیم رسول ﷺ کی

تعلیم دی گئی ہے۔

☆ اہل علم جانتے ہیں کہ یہ وہ موضوعات ہیں جن میں سے ہر ایک پر بحث مباحثے ہوتے ہیں اور دلائل دیئے جاتے ہیں۔ حضور شیخ الاسلام کی محبت رسول ﷺ کا فیض ہے کہ انہوں نے ان دس عنوانات کے تحت وہ ساری احادیث یکجا فرما دیں جو متعلقہ موضوعات کے باب میں اہم ترین دلائل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ لوگ ان بنیادی عقائد کو ثانوی مصادر اور کتب سے پڑھنے اور سمجھنے کی بجائے براہ راست حدیث نبوی ﷺ سے سمجھیں اور دلوں میں ایمان کا نور سمیٹیں۔ جب ایک چیز حضور ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہو رہی ہے تو یہ بحث خود ہی خارج ہو جاتی ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔

☆ پوری احادیث کی باقاعدہ تخریج کی گئی ہے، یہ طریقہ عام طور پر عرب ممالک میں نئی چھپنے والی کتب احادیث میں رائج ہے۔ ہمارے ہاں تخریج و تحقیق پر اتنی توجہ نہیں دی جاتی تھی لیکن اس کتاب سمیت شیخ الاسلام کی دیگر کتب حدیث اور عقائد پر اسی طرح اہتمام سے تخریج کی جارہی ہے۔ ظاہر ہے یہ کام جہاں محنت طلب ہے وہاں پوری ذمہ داری کا حامل بھی ہے۔

☆ ابواب سمیت پوری کتاب کی احادیث کا آسان سلیس اردو ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے جس سے عربی سے نابلد اردو جاننے والے خواتین و حضرات کے لئے آسانی پیدا ہو گئی ہے اور اس کے ساتھ اس کتاب کے قارئین کا حلقہ بھی بڑھ گیا ہے۔ پاکستان اور بیرون ملک تحریک کی تنظیمات دروس قرآن کے اہتمام کے ساتھ ساتھ دروس حدیث بھی منعقد کروا رہی ہیں جن میں اسی کتاب سے احادیث پڑھی اور سنی جاتی ہیں یوں اس مبارک کام کی پذیرائی ابتدائی سالوں میں ہی پوری دنیا میں پھیل گئی ہے اور یہ عنداللہ اس عمل خیر کی قبولیت کی روشن دلیل ہے۔

ترجمۃ الباب کی خصوصیات

محدثین کرام نے صحیح بخاری کو جن امتیازات کے سبب اسے قرآن کے بعد سب سے بہترین کتاب کا درجہ دیا ان میں سند کی صحت کے علاوہ ''ترجمۃ الباب'' کی خصوصیت بھی ہے۔ یعنی امام بخاری نے ابواب کے جو عنوانات رکھے ہیں وہ بڑے ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ ''فقہ البخاری فی أبوابہ'' مراد یہ کہ یہ عنوانات ہی امام بخاری کی فقہی اور اجتہادی بصیرت کا محکم ثبوت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ترجمۃ الباب کو احادیث الباب کا مصداق بنایا جس سے ان کی فقاہت اور قوت استنباط کی خوبی جھلکتی ہے اور یہی ملکہ انہیں دیگر معاصر محدثین سے ممتاز کرتا ہے۔ احادیث کے باب سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام بخاری ان احادیث سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ابواب کے انہی عنوانات سے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ بھی ہوتا ہے کہ امام بخاری احناف وغیرہ سے بعض مسائل میں واضح اختلاف کرتے ہیں حالانکہ ان احادیث میں ایسی کوئی بات نہیں ہوتی۔

امام بخاری کی اس خصوصیت کو سامنے رکھتے ہوئے ہم ان کی حدیث فہمی کا فیض سمیٹنے والے بطل جلیل شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی فقہ الحدیث کا تجزیہ کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ''عرفان السنۃ'' اور ''المنہاج السوی'' کی جو امتیازی خصوصیت ہے وہ بھی ان کتب احادیث کے ترجمۃ الابواب یعنی ابواب کے عنوانات ہیں۔ ترجمۃ الابواب اور احادیث الابواب کی یہ خوبصورت مطابقت پورے ذخیرہ حدیث میں اور کہیں نہیں ملتی۔ ڈاکٹر صاحب اپنے اس کام کی ضرورت و اہمیت واضح کرتے ہوئے خود بیان فرماتے ہیں:

''میں نے المنہاج السوی کے نام سے حدیث کی کتاب مرتب کیوں کی؟ حالانکہ حدیث تو کائنات میں کوئی شخص اپنے پاس سے نہیں بناسکتا اور جونئی حدیث گھڑے گا وہ کافر ہوجائے گا اسلئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (۹)

مشکوٰۃ شریف کے مرتب ہونے سے پہلے امام نووی کی ریاض الصالحین اور امام منذری کی ''الترغیب والترہیب'' جیسی کتب تھیں۔ الغرض امہات الکتب کے بعد احادیث کی جتنی بھی کتب مرتب و مدون ہوئیں ان سب مجموعوں کا وقت تدوین آج سے چھ سات سو سال قبل کا ہے۔ اس عرصہ میں احادیث کی جمع و تدوین کا کام نہیں ہوا۔ ان تمام کتب میں حدیث کا عنوان اور تراجم الابواب مختلف ہیں اور ترجمۃ الباب و حدیث الباب میں مطابقت نہیں ہے۔ اس وجہ سے اہل علم کو اپنا مذہب، عقیدہ، مسلک کے ثبوت اور بعض احکام و مسائل کے حل کے لئے حدیث تک رسائی پانے میں مشکل پیش آئی۔ سوائے اس کے کہ وہ ساری احادیث لفظ بلفظ خود پڑھیں اور تب جاکر اپنے مسائل کے حل اور عقیدہ و مسلک کے ثبوت میں احادیث تک رسائی حاصل کریں اگر کتاب اور فقط ترجمۃ الباب پر جائیں تو مسائل حل نہیں ہوتے۔

چھ سات صدیاں گزرنے کے بعد علمی ضروریات بدل گئیں۔۔۔ اس وقت عقائد کے باب میں فتنے نہیں تھے۔۔۔ تمام عقائد کی جہت خواہ وہ حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی تھے ایک ہی تھی۔۔۔ عقائد میں کوئی تضاد نہ تھا۔۔۔ اختلاف صرف فقہی مذہب میں تھا یا عقائد کی تشریحات اور فروعی تفصیلات میں تھا۔۔۔ مگر بنیادی عقائد خاص طور پر شان رسالت مآب ﷺ سے متعلق عقائد میں کوئی اختلاف نہ تھا۔۔۔ 6/7 صدیاں گزرنے کے بعد بڑے بڑے فتنوں نے سر اٹھایا۔۔۔ بڑے بڑے مسائل وضع ہوئے۔۔۔ امت میں تفرقے پیدا ہوئے۔۔۔ فرقے، مسالک، مکاتب وفکر میں موجود آئے جغرافیے بدل گئے۔۔۔ نئی نئی تعبیرات نے سر اٹھایا اور دین و عقیدہ کے باب میں بڑے فتن اور زلازل پیدا ہوئے۔ کتب حدیث وہی تھیں۔۔۔ ان کے تراجم الابواب وہی تھے۔۔۔ ایک عام عالم، واعظ، خطیب، استاد، طالب علم تراجم الابواب کی فہرست دیکھ کر احادیث تک رسائی نہیں پاسکتا تھا۔۔۔ اور لاکھوں کی تعداد میں لفظ بلفظ تمام احادیث کو پڑھنا کسی کے بس کی بات بھی نہیں ہے۔۔۔ پس اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ جس طرح آئمہ نے احادیث کے مطالب و معانی کے مطابق اپنے اجتہاد سے تراجم الابواب متعین کئے تھے اور ان تراجم الابواب کے مطابق احادیث ملتی تھیں۔۔۔ اب دوبارہ نئے سرے سے احادیث کے تراجم الابواب مقرر کئے جائیں۔۔۔ لہذا منہاج السوی میں اصل محدثانہ کام یہ ہے کہ ان احادیث نبوی پر مدار قائم کرتے ہوئے نئے سرے سے تراجم الابواب، علمی ضروریات کے مطابق مقرر کئے ہیں۔۔۔ تاکہ جس موضوع پر حدیث دیکھنا چاہیں اسی موضوع پر باب مل جائے''۔ (۱۰)

جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے واضح بھی فرمایا ہے کہ ہمارے دور کا اہم مسئلہ فقہی مسائل کا استنباط نہیں بلکہ ان اعتقادی اور نظری مسائل کا حل ہے جو مسلمانوں کے درمیان باعث نزاعات و اختلافات ہیں۔ ان میں سے بعض نظری اور اعتقادی مسائل تو صدیوں پر پھیلے ہوئے ہیں لیکن کچھ گذشتہ صدی کی پیداوار ہیں۔ ان کی وجہ سے افراط و تفریط کا شکار گروہ اور مسالک باہم دست و گریبان رہتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ان مسائل کو معتدل انداز کے ساتھ فریقین کے سامنے رکھا جاتا اور حتی الامکان ان کی شدت میں کمی کی کوشش کی جاتی۔ یہ کوشش اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی تھی جب تک قرآنی نصوص کے ساتھ احادیث مبارکہ کو قول فیصل نہ بنایا جاتا۔ یہ کاوش حضور شیخ الاسلام نے ترجمۃ الابواب اور احادیث الابواب کے انتخاب کے ذریعے کی ہے۔ وہ اس میں کس حد تک کامیاب ہوتے ہیں یہ مستقبل قریب کا مؤرخ ہی بہتر بتا سکے گا مگر ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ان کی اتحاد

بین المسلمین کی علمی و عملی کاوشیں کما حقہ، رنگ لا رہی ہیں۔ علماء ایک دوسرے کے موقف کو سنتے ہیں برداشت کرتے ہیں اور دوسروں کو جینے کا حق دینے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔

منہجِ اعتدال

مقدس شخصیات کے بارے میں اختلافات کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان کے مقام و مرتبہ کو سمجھنے میں راہ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں مثلاً ایک گروہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اصحاب اہل بیت کو ان کے جائز مقام و مرتبے سے آگے لے جائے اور انہیں نبی سے بڑے رتبے پر فائز کرنے کے دلائل دینا شروع کر دے تو لامحالہ ردعمل تو ہوگا۔ اسی طرح یہ ردّ عمل بھی اگر اعتدال سے ہٹ جائے تو ذاتی مخالفت میں انسان ان مقدس شخصیات کے بارے میں توہین اور نامناسب رویوں کا حامل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت امت کو جن داخلی خلفشارات کا سامنا ہے ان میں سرفہرست یہی شیعہ سنی کا جھگڑا ہے جس کی جڑیں ہر اسلامی ملک میں ہیں اور اس کے ڈانڈے موجودہ بین الاقوامی سازشوں سے ملے ہوئے ہیں۔ آج بھی امت کا قابلِ ذکر حصہ خوارج اور شیعہ کی دو انتہاؤں میں بٹا ہوا ہے اور دونوں طرف سے کچھ تخریبی عناصر خون خرابے کا افسوسناک کھیل بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان دگرگوں حالات میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ان چند عالمی شخصیات میں سے ایک ہیں جو مسلک اعتدال کے نمائندہ اور اتحاد کی علامت کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ اس خصوصیت کو ان کے مرتبہ مجموعہ ہائے احادیث اور دیگر کتب کے علاوہ ہزاروں خطابات و دروس میں دیکھا جا سکتا ہے جو گزشتہ بیس سالوں سے ایک فعال ذریعہ تعلیم و تربیت کے طور پر اَطراف و اَکناف عالم میں مؤثر کردار ادا کر رہا ہے۔ انہوں نے اگر ''القول الوثیق فی مناقب الصدیق''، ''القول الصواب فی مناقب عمر بن الخطاب'' اور ''روض الجنان فی مناقب عثمان بن عفانؓ'' میں فضائل اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی احادیث جمع کی ہیں تو دوسری طرف ''السیف الجلی علی منکر ولایت علی'' اور ''کنز المطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب'' جیسے تاریخی مجموعے بھی مرتب کئے ہیں۔

☆ ان کتب کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان میں بیان کردہ احادیث مبارکہ کو منتخب کرتے ہوئے راوی کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے مثلاً سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مناقب بیان کرتے ہوئے ان احادیث کو ترجیحاً ذکر کیا گیا ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی تھیں۔ اسی طرح سیدنا صدیق اکبر فاروق اعظم اور عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مناقب و فضائل میں ان احادیث کو خصوصی طور پر درج کیا گیا ہے جو سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدنا عبداللہ بن عباس سے مروی تھیں تا کہ حاسدین اور مفسدین ان شخصیات کے مابین اختلافات کی خلیج وسیع کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

حوالہ جات:

(۱) (حافظ جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی ۷۳)
(۲) (مقدمہ الحرح والتعدیل ص ۲۰)
(۳) (تنویر الحوالک ج ۱ ص ۴ طبع مصر)
(۴) (تبییض الصحیفہ ص ۳۶ طبع حیدر آباد ۱۳۳۴ھ)
(۵) (شبلی نعمانی سیرت النبی جلد اول مطبع اردو بازار لاہور)
(۶) (ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مقدمہ سپرنگر مطبوعہ کلکتہ)
(۷) (علوم الحدیث: تاریخی مطالعہ: ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر)
(۸) (ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ج:۱)
(۹) (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۴۳۴، حدیث ۱۲۲۹)
(۱۰) (اقتباس درس بخاری برنگھم UK)

تفسیر منہاج القرآن

عصری مسائل اور تقاضوں کے تناظر میں ایک مطالعہ

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

ملت اسلامیہ کا یہ اعزاز و امتیاز ہے کہ اللہ تعالی نے اسے انسانیت کے لیے آخری اور حتمی منشور حیات یعنی قرآن حکیم کا وارث و امین بنایا۔ اپنے پیغام کے ابلاغ کے لیے قرآن حکیم کا انداز تخاطب عمومی انداز کا حامل ہے۔ طلب عمل، تعمیر کردار اور مژدہ اکرام و انعام کا کوئی بھی ایسا گوشہ نہیں جس میں قرآن حکیم نے کائنات انسانیت کو طبقاتی یا اصطفائی (Segregational) انداز سے مخاطب کیا ہو۔ قرآن حکیم کی ابدی ہدایت و اثر آفرینی اور امت مسلمہ کی عمومی معروضی حالت میں موجود واضح فرق ہمیں اس تاریخی حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ:

۱۔ عالم اسلام اپنے عروج کے دور سے تا حال اپنے مرکز زوال سے دوبارہ نہیں ابھرا۔ بغداد، قرطبہ، خلافت عثمانیہ اور دہلی کے زوال کی داستانیں ہمارے سامنے ہیں۔ گو اہل ایمان صورت خورشید طلوع ہو کر نئی تاریخ رقم کرتے رہے ہیں۔

۲۔ آج مغرب بتدریج عروج کی طرف گامزن ہے اور مغرب کا عروج دنیاوی لحاظ سے ہمہ گیر ہے۔ مذہب و الوہی اقدار سے ماسوا زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جس کا مغربی عروج نے احاطہ نہ کیا ہو جبکہ عالم اسلام اور مغرب میں عروج و زوال کی خلیج مسلسل بڑھتی جا رہی ہے۔

عروج و زوال کے اس واضح و نمایاں خلیج کی سبب سے غالب اور مائل بہ زوال کلچرز کے فطری رویوں کے سبب عالم اسلام میں کئی طبقات کی طرف سے انتہا پسندانہ رجحانات کے سبب سے مسلم فکر کے بین الاقوامی اور بین الثقافتی اثر و نفوذ کی راہیں محدود ہو رہی ہیں۔

قرآنی فکر کی نتیجہ خیزی اور عمومی عملی رویے

قرآن حکیم کے عمومی طرز تخاطب کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ:

۱۔ معاشرے میں موجود اور متداول ذہنی ثنویت (Intellectual Duality) کا خاتمہ ہوتا، کیونکہ دریں حال مسلم معاشرے میں دو اذہان کارفرما ہیں: ۱۔ قرآنی ذہن ۲۔ عمومی ذہن

اس دوہرے ذہنی معاشرے کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کا بیان کردہ تصور اجر و اخذ ہمارے عمومی عملی رویے سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ہم روزمرہ زندگی میں کچھ اعمال اللہ کی رضا کے لیے اور کچھ زندگی کے کاروبار کو رواں دواں رکھنے کے لیے انجام دے رہے ہیں اور ہماری پوری زندگی ایک طرح کے compromise پر مشتمل ہے۔ جب نیت و عمل کی اتنی بنیادی سطح پر ہی قرآن حکیم کے احکام اور فکر سے ہم آہنگی نہ ہوگی، تو اعلی سطح کے قرآنی وعدوں کو حقیقت کا روپ کس طرح ملے گا۔

۲۔ زندگی کو عمومی ڈگر پر رواں دواں رکھتے ہوئے قرآنی نتائج کے حصول کے لیے ضروری تھا کہ ہر شعبہ زندگی

سے متعلق افراد معاشرہ کو قرآنی مقصود کا یقین میسر ہوتا، گو علم نہ ہوتا۔ مگر 'اندیشہ عجم' نے اسے نہ صرف پنہاں کر دیا بلکہ اسلام چند رسوم و قیود تک محدود ہو کر رہ گیا۔

تعریفِ تفسیر اور علم التفسیر کے اجزاء

قرآن حکیم سے اخذ ہدایت کے لیے ہر دور میں تفسیری کاوشیں کی گئیں۔ علامہ آلوسی نے تفسیر کی تعریف یوں کی:

علم يبحث فيه عن كيفية النطق بالفاظ القرآن و مدلولا تها واحكا مها الافرادية والتركيبية ومعانيها التى تحمل عليها حالة التركيب وتتمات لذلک،

''علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے، ان کے مفہوم، ان کے افرادی اور ترکیبی احکام اور ان کے معانی سے بحث کی جاتی ہے جو ان الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لئے جاتے ہیں، نیز ان معانی کا تکملہ، ناسخ و منسوخ، شان نزول اور مبہم قصوں کی توضیح کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے''۔

اس تعریف کی روشنی میں علم تفسیر مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہے۔

۱۔ الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے
۲۔ الفاظ قرآن کے مفہوم
۳۔ الفاظ کے انفرادی احکام
۴۔ الفاظ کے ترکیبی احکام
۵۔ ترکیبی حالت میں الفاظ کے مجموعی معنی
۶۔ معانی کے تکملے، یعنی آیات قرآنی کا پس منظر اور مجمل کی تفصیل

تفسیر و تاویل میں فرق

اہل علم کے ہاں تفسیر کے لئے ایک اور لفظ تاویل بھی بکثرت استعمال ہوتا تھا اور خود قرآن کریم نے بھی اپنی تفسیر کے لئے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے، وما يعلم تاويله الا الله، تاہم علماء میں یہ اختلاف رہا کہ آیا یہ دونوں الفاظ بالکل ہم معنی ہیں، یا ان میں کچھ فرق ہے؟ امام ابو عبیدہؒ وغیرہ نے فرمایا کہ یہ دونوں الفاظ بالکل مترادف ہیں۔ کچھ حضرات نے ان دونوں میں فرق بیان کرنے کی کوشش کی جن سے چند اقوال یہ ہیں:

۱۔ تفسیر ایک ایک لفظ کی انفرادی تشریح کا نام ہے، اور تاویل جملے کی مجموعی تشریح کو کہا جاتا ہے۔

۲۔ تفسیر الفاظ کے ظاہری معنی بیان کرنے کو کہتے ہیں اور تاویل اصل مراد کی توضیح کو کہتے ہیں۔

۳۔ تفسیر اس آیت کی ہوتی ہے جس میں ایک سے زیادہ معنی کا احتمال نہ ہو، اور تاویل کا مطلب یہ ہے کہ آیت کی جو مختلف تشریحات ممکن ہیں ان میں سے کسی ایک کو دلیل کے ساتھ اختیار کر لیا جائے۔

۴۔ تفسیر یقین کے ساتھ تشریح کرنے کو کہا جاتا ہے اور تاویل تردد کے ساتھ تشریح کرنے کو کہا جاتا ہے۔

۵۔ تفسیر الفاظ کا مفہوم بیان کر دینے کا نام ہے اور تاویل اس مفہوم سے نکلنے والے حاصل اور نتائج کی توضیح ہے۔

قرآنی فکر اور ہمارے عملی رویّوں کی مطابقت بارے جملہ تفاسیر کا سکوت

تاہم یہ امر قابل غور ہے کہ ہماری تمام تفسیری کاوشیں ان سولات کا جواب نہیں دے پاتیں جو اس تحریر کے آغاز میں اٹھائے گئے ہیں۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری فرماتے ہیں:

''علم تفسیر ہو یا علم حدیث، علم فقہ ہو یا علم کلام یہ تمام علوم و فنون کتاب و سنت کی تعبیرات سے عبارت ہیں۔ ہمارے دینی مدارس میں نصوص قرآنی کی ہی تعبیرات ہمیشہ شامل نصاب رہی ہیں۔ نص بذات خود حصہ نصاب نہیں رہی۔ گویا تفسیر قرآن کا بدل تصور ہونے لگی ہے۔ تفسیر یا تعبیر کی احتیاج چونکہ عصری ضرورتوں کے تحت پیدا ہوتی ہے اس لیے

زیادہ وقت گزر جانے کے بعد سابقہ تعبیرات وتفسیرات نئے ادوار کی علمی و عملی تمام ضرورتوں کو پورا نہیں کر پاتیں۔ چنانچہ مفسر کو از سر نو عصری تقاضوں کے مطابق تعبیر کی حاجت محسوس ہوتی ہے۔ ہر دور میں ہمارے علماء مخصوص علمی ضرورتوں کے تحت فن تعبیر کے اصولوں کو فروغ دیتے رہتے ہیں۔ لیکن سوء اتفاق سے ان مسائل کو حل کرنے کے لیے جو سرے سے تفسیر وتعبیر کا موضوع ہی نہ تھے، آج تک براہ راست نص سے حتمی وقطعی ہدایت اخذ کرنے کا منہاج وضع نہ ہوسکا۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں متداول تعبیراتی علوم اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ملت اسلامیہ کی اجتماعی اور بین الاقوامی زندگی پر محیط زوال وانحطاط کو ختم کرنے اور اسے باعظمت انقلاب سے ہمکنار کرنے میں بے اثر اور عقیم ثابت ہوئے ہیں۔ ان علوم کی عملی زندگی پر اثر انگیزی اور نتیجہ خیزی کا فقدان دراصل ان کی کمزوری یا نقص نہیں کیونکہ یہ مسئلہ شروع سے ہی ان کے ہیظ اثر میں نہ تھا۔ غلطی اور کمزوری فی الحقیقت اس ذہن کی تھی جس نے ان کو نص قرآنی کا بدل بنا دیا تھا اور اس نے ان تعبیراتی علوم کے ذریعے اس عملی نتیجہ کے پیدا ہونے کی آرزو کی تھی جو صرف نص کی ہدایت سے حاصل ہوسکتا تھا۔''

علم تفسیر و دیگر علوم کا احیاء۔۔۔شیخ الاسلام کی نظر میں

دیگر علوم کی طرح آپ نے علم تفسیر کے باب میں بھی اس منہج کا آغاز فرمایا جو عصری چیلنجوں کا جواب ہے۔ علم تفسیر اور اس سے متعلق دیگر علوم کا کس طرح احیا کیا جائے، حضرت شیخ الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ علم التفسیر: اس سلسلے کا پہلا علم ہے۔ اس کا موضوع قرآن ہے جو یقیناً تفسیر سے متمیز ہے۔ کیونکہ قرآن وہ حقیقت ہے جس کے علم کا نام تفسیر ہے۔ یعنی قرآن نص ہے اور تفسیر اس کی تعبیر، جس کا مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کیا ہے؟

۲۔ علم حدیث: اس کا موضوع سنتِ رسول اکرم ﷺ ہے جس کا مسئلہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قول وعمل کیا تھا؟

۳۔ علم فقہ: اس کا موضوع انسانی زندگی سے متعلق اوامر ونواہی ہیں۔ جس کا مسئلہ یہ ہے کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے؟ کتبِ حدیث اور بالخصوص کتبِ سنن کے اسلوبِ تبویب کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر علم حدیث کی تدوین کا اصل محرک بھی فقہ ہی تھا۔ گویا انسانی زندگی کو منظم کرنے والا ضابطہ اور اس کی اصل سنتِ رسول ﷺ سے دریافت کرنے کے لئے احادیث رسول ﷺ کو جمع اور مرتب کیا گیا۔

۴۔ علم کلام: اس کا موضوع عقائد ہیں۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ عقائد کی عقلی اساس کیا ہے؟ اس کا وظیفہ (Function) عقائدِ صحیحہ کی تائید اور عقائدِ باطلہ کی تردید میں استدلال فراہم کرنا ہے۔

۵۔ علم تصوف: اس کا موضوع طریقت ہے۔ جس کا مسئلہ یہ ہے کہ احکام فقہ کی بجا آوری میں اخلاص کیسے پیدا ہوگا؟

۶۔ علم تاریخ: اس طرح تاریخِ اسلام کا موضوع دو ادوار کے بیان پر مشتمل ہے۔ دور رسالت اور دور مابعد رسالت، بحیثیتِ علم کے، تاریخ کا مسئلہ امت کے عروج وزوال کے اسباب کی جستجو ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانی استعداد کے یہ زائیدہ مذہبی علوم زندگی میں نتائج پیدا کرنے میں موثر نہیں رہے۔ یہاں تک کہ اسلام کے عقیدہ وعمل کا کوئی اثر ہماری حیات اجتماعی پر باقی نہیں رہا۔ عقائد اوہام میں اور عبادت رسوم وظواہر میں بدل کر رہ گئی ہیں۔ ان کا علاقہ عملی زندگی سے یکسر منقطع ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی مذہبی اور غیرمذہبی (Religious and Secular) دو شعبوں میں تقسیم ہوگئی ہے اور اس کی ثنویت وغیریت کو کسی سطح پر ختم نہیں کیا جا سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب کے سب علوم اس سوال کا جواب ہیں کہ یہ کیا ہے؟

علم کا ایک تقاضا ہم آہنگی پیدا کرنا ہے۔ اس تقاضے کے غالب آنے کی وجہ سے علم بالوجی انسانی استعداد کے زائیدہ علم کے نمونے پر ڈھل گیا اور علم کا ایک ویسا ہی شدید مطالبہ ہم آہنگی کے تقاضے کے تحت نظر انداز کر دیا گیا جو یہ تھا

Scanned with CamScanner

کہ مماثل فضائل کے درمیان امتیازات کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس تقاضے کے نظر انداز ہو جانے سے علم بالوحی کے اس مسئلے کی نوعیت سے صرفِ نظر ہو گیا کہ زندگی پسندیدہ نمونے پر ڈھلے کیسے؟ اس سوال سے صورتِ حال کا اثر یہ ہوا کہ:۔

ا۔ علم تفسیر اس جستجو سے دستبردار ہو گیا کہ قرآن جس نمونے پر انسانی زندگی کو ڈھالنا چاہتا ہے، وہ کیسے ڈھلے گی؟ یعنی قرآن جس طرح کا انسان چاہتا ہے، وہ کس طرح میسر آئے گا؟

۲۔ علم حدیث انسانی استعداد کے زائیدہ علم کے نمونے پر ڈھل گیا تو یہ جستجو پیش نظر نہ رہ سکی کہ جن عملی نتائج تک علم بالوحی پہنچانا چاہتا ہے، اس تک پہنچنے میں حدیث سے کیا رہنمائی ملتی ہے۔ اسے سنتِ رسول ﷺ کی حدود سے آج پھر کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ علم فقہ کے انسانی استعداد کے زائیدہ علم کے نمونے پر ڈھل جانے سے قرآنی احکام کے بارے میں اس مقصد سے صرفِ نظر ہو گیا کہ اوامر ونواہی کے مطابق اور جائز وناجائز کے امتیاز پر زندگی عملاً کیسے استوار ہو گی؟

اگر تفسیر، حدیث اور فقہ کے مروجہ علوم کے دائرہ کار پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ یہ تمام مذہبی علوم صرف حلال وحرام، جائز وناجائز، مستحب ومکروہ اور پسندیدہ و ناپسندیدہ یعنی انسانی اعمال کے لئے صحت اور عدم صحت کے حدود کے بیان تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ انسانی احوال کو بدلنے کی تدبیر ان کے موضوع سے خارج ہے۔ لیکن اس وقت تک عالمِ اسلام کو یہ مسئلہ درپیش ہے کہ فرد اور معاشرہ دونوں ان امور کو جان لینے کے باوجود تمرد اور انحراف کے راستے پر گامزن ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی انتشار، اضمحلال اور انحطاط کا شکار ہے۔ جس سے نکلنے کی آرزو کے باوجود وہ اس سے نکل نہیں پاتے اور اصلاح کی تمام فکری اور عملی کوششیں بے نتیجہ ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ متداولہ علوم غلط اور صحیح کی نشاندہی اور امتیاز کر دینے کے باوجود اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہیں کہ صحیح راستے پر کس طرح گامزن ہوا جائے؟ مطلوبہ نمونہ کمال کے مطابق زندگی کس طرح بسر ہو۔۔۔؟ اور احوال زندگی کا جو معاملہ بگڑ چکا ہے، اسے پھر سے کس طرح سنوارا جائے۔۔۔؟ گویا اسلام جس تباہی سے بچانا چاہتا ہے، ملتِ اسلامیہ اس تباہی وہلاکت سے بچے کیسے۔۔۔؟ محض مقصد اور نصب العین کا بیان کر دینا ہی کافی نہیں۔ جب تک اس مقصد کے حاصل کرنے کی تدبیر اور حتمی طریقِ کار بیان نہ کیا جائے، کسی علم کی تاثیر وافادیت مسلم نہیں ہو سکتی۔

۴۔ علم الکلام کا وظیفہ زیادہ سے زیادہ ان شکوک کو باطل کرنا ہے جو عقائدِ صحیحہ کی نسبت ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن یقینِ کامل اور رسوخ فی الایمان علمِ کلام کے حوالے سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یقین ہمیشہ نتائج کی تجربی توثیق اور شہادت سے میسر آتا ہے۔ جبکہ ایمان بالغیب کی حیثیت ایمانِ وہبی کی ہے۔ جس کی بنیاد صاحب نبوت ﷺ کا بیان ہے۔ اس کی وضاحت اس میں ہے کہ غایتِ تخلیق، غایتِ بعثت اور غایتِ نزولِ قرآن ایک ہی ہے۔ عملی نتائج ان کائناتی قوانین سے متعین ہوتے ہیں جو نظامِ تکوین میں متعین کر دیئے گئے ہیں اور ایمان بالغیب وہ ایمان ہے جو عملی جدوجہد سے پہلے درکار ہے۔ اس کے بغیر مقصد کے لئے جان کی بازی نہیں لگائی جا سکتی۔

۵۔ تصوف کا موضوع عملی زندگی میں اخلاص اور للّٰہیت پیدا کرنا ہے۔ جس کا مسئلہ یہ ہے کہ اتباع شریعت میں حسن نیت اور خلوص کیسے پیدا ہو گا؟ مگر جب سے تصوف عمل کی بجائے ماورائی حقیقت کا علم بنا ہے، اس کے نتائج عملی زندگی پر مرتب ہونا بند ہو گئے ہیں۔ اب علم تصوف کی تاثیر اور نتیجہ خیزی اسی وقت برآمد ہو سکتی ہے۔ جب انسانی زندگی پہلے شریعت کے سانچے میں ڈھل جائے۔ اس کے بعد اس میں تشرع اور ریاکاری کے خاتمہ کے لئے تصوف اپنا انقلاب انگیز کردار ادا کر سکتا ہے۔

Scanned with CamScanner

۶۔ تاریخِ اسلام بھی عروج وزوال کی توجیہہ کا علم بن کر رہ گئی ہے۔ جس میں جبر کا شائبہ غالب ہے۔ اس کی جستجو بطور واقعہ عروج وزوال کو موضوع بنا کر ہوسکتی ہے لیکن اس توجیہہ میں، مسلط ہوجانے والے زوال کے رُخ کو عروج کی سمت پھیرنا داخل نہیں ہے۔ جب کہ اس وقت عالم اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ زوال کو عروج میں کیسے بدلا جائے؟ یہ مسئلہ اس وقت حل ہوگا جب تاریخ کو تجدیدِ ملل اور تخلیقِ امم کا عمل قرار دیا جائے جو قرآن کا نقطہ نظر ہے۔ سورہ ہود کے آخر میں مذکور ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ۔ (ھود، ۱۱: ۱۲۰)

''اور یہ سارے کے سارے واقعات جو ہم احوال رُسل میں سے آپ کو سناتے ہیں، یہ صرف اس لئے سناتے ہیں کہ ان سے آپ کے دل کو تقویت پہنچے۔''

اللہ تعالٰی حضور علیہ السلام پر انبیاء سابقین کے واقعات اس لئے بیان کرتا ہے کہ ان سے آنحضرت ﷺ کے قلب کو تسکین اور تقویت ہو۔ مگر انبیاء سابقین کے قصوں سے دل کو تقویت اور تسکین جبھی میسر آ سکتی ہے جب ہر قصے سے یہ نتیجہ برآمد ہو کہ غلبہ اصحابِ حق ہی کو حاصل ہوتا رہا اور یہ نتیجہ برآمد ہوسکتا ہے، جب اصحاب حق کا غلبہ اور اصحاب باطل کی شکست کسی ایسے قانون سے متعین ہو جو ناقابلِ تغیر اور ناقابلِ شکست ہو اور اس کی خلاف ورزی ممکن نہ ہو جیسا کہ ارشادِ باری تعالٰی ہے:۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ (فرقان، ۲۵: ۳۱)

''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے مجرموں میں سے ایک دشمن پیدا کر دیا۔''

جو پیغمبرانہ دعوت میں مزاحمت کرتا ہے اور اس کی مزاحمت سے دعوت کے خاطرخواہ نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اس کا اعلان قرآن یوں کرتا ہے:۔

لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (مجادلہ، ۵۸: ۲۱) ''بے شک میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے۔''

لٰہذا تاریخ کی اصلاح یوں ہوگی کہ زوال کا رخ عروج کی طرف پھیرنے کے لئے قرآن مجید سے رہنمائی حاصل کی جائے جو مذکورہ بالا قانون کے حوالے کے بغیر میسر نہیں آ سکتی۔ چنانچہ مذہبی علوم کی جو نشوونما اب تک ہو چکی ہے، اس کی صحیح سمت مقرر کرنے کے لئے علم بالوحی سے رہنمائی طلب کی جائے تاکہ زوال وانحطاط میں مبتلا ملت کے غلبہ وعروج کی طرف بڑھنے کے لیے مذہبی علوم کا جائزہ لے کر ان کی نشونما کی تکمیل کا رخ متعین کیا جاسکے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ علم بالوحی عمل کا علم ہے۔ گویا یہ نصب العین اور اس کے حاصل کرنے کے نتیجہ خیز طریقہ کار کا علم ہے۔ جب اس طریقہ کار سے نتائج پیدا ہو جائیں جو انسانی استعداد کے زائدہ علوم کے موضوعات ہیں تو ان کی توجیہ کی ضرورت پیش آئے گی اگر مطلوبہ نتائج پیدا ہی نہیں ہوتے تو ان کی توجیہ عملاً کیسے اثر پیدا کرسکتی ہے۔ توجیہہ کے ڈھب پر مرتب ہونے والے تمام علوم موجودہ اقدارحیات کی حفاظت تو کر سکتے ہیں مگر مٹی ہوئی اقدار کو زندہ نہیں کر سکتے۔

شیخ الاسلام اور تفسیری علوم کے عصری تقاضے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے تفسیری علوم کو عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے درج ذیل شرائط کو لازمی قرار دیا:

۱۔ کلیت (Inclusiveness): علم کے کلی ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے تمام متعلقات اور متفرعات میں ایک ہی اصول کارفرما ہو اور علم کے تمام نتائج میں ہم آہنگی، یکسانیت اور وحدت پائی جائے۔ اس طرح علم اپنے دائرہ اطلاق (Scope of Application) کے لحاظ سے کلی یعنی جامع اور مانع ہو تاکہ کثرتِ نتائج سے پاک رہے اور تمام متعلقہ مسائل (Relevant Issues) اصل واحد سے متفرع کیے جاسکیں۔

۲۔اثباتیت (Positiveness) :علم کے مثبت ہونے سے مراد یہ ہے کہ علم ایسے منفی تصورات سے پاک ہو جو زندگی کو یاس و نا اُمیدی کا شکار کر دیتے ہیں بلکہ علم اپنی اثباتیت کے اعتبار سے زندگی کو ہر مرحلے پر سہارا عطا کر سکے۔

۳۔عملیت (Practicability) :علم کے عملی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ محض منطقی اور فلسفیانہ تصورات کی طرح عملی حیثیت سے خالی نہ ہو بلکہ عملاً قابل قبول ہو تا کہ اس کے لیے جدوجہد کی ترغیب پیدا ہو سکے۔

۴۔ولولہ انگیزی (Provocation):علم کے ولولہ انگیز ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس سے انسانی دلوں میں اسی قدر شدت کے ساتھ ولولہ اور جوش پیدا ہو سکے جس قدر اسے واقعہ بنانے کے لیے ضروری ہے۔ یعنی وہ علم نہ صرف خود زندہ ہو بلکہ دوسروں کو بھی زندہ رکھ سکے۔

۵۔نتیجہ خیزی (Decisiveness) :علم کے نتیجہ خیز ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے مطلوبہ نتائج حتمی و قطعی طور پر پیدا ہوکر رہیں۔ یہی امر اس کی حقانیت کی اصل دلیل قرار پائے اور اسے اپنے جواز یا صحت کے ثبوت کے لیے غیر عملی منطقی دلائل پر انحصار نہ کرنا پڑے۔

تفسیرِ منہاج القرآن اور عصری تقاضے

تفسیر منہاج القرآن جو ابھی تکمیل کے مراحل میں ہے ،انہی بنیادی خصوصیات کی حامل ہے۔ چونکہ یہ مضمون تفصیلی مثالوں کا متحمل نہیں ہوسکتا، یہاں صرف چند آیات نمونہ کے طور دی جا رہی ہیں، جن کا ترجمہ اور مطالب ان خصوصیات کے عکاس ہیں۔

آیات کے مفاہیم کی توضیح جس سے آیات کا مافیہ کھل کر سامنے آجائے جا بجا ملاحظہ کی جاسکتی ہے:

☆ وَ جَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ط وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ط قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَيْفِیْ ط اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ٥ (۱۱:۷۸)

(سو وہی ہوا جس کا انہیں اندیشہ تھا) اور لوط (علیہ السلام) کی قوم (مہمانوں کی خبر سنتے ہی) ان کے پاس دوڑتی ہوئی آ گئی، اور وہ پہلے ہی برے کام کیا کرتے تھے۔ لوط (علیہ السلام) نے کہا: اے میری (نافرمان) قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لیے (بطریقِ نکاح) پاکیزہ و حلال ہیں سوتم اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں (اپنی بے حیائی کے باعث) مجھے رسوا نہ کرو! کیا تم میں سے کوئی بھی نیک سیرت آدمی نہیں ہے؟٥

☆ وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا (۱۹:۵)

اور میں اپنے (رخصت ہوجانے کے) بعد (بے دین) رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں (کہ وہ دین کی نعمت ضائع نہ کر بیٹھیں) اور میری بیوی (بھی) بانجھ ہے سوتو مجھے اپنی (خاص) بارگاہ سے ایک وارث (فرزند) عطا فرما٥

قوموں کے عروج و زوال اور اہل حق کی جدوجہد کے باب میں قرآنی بیان کی توضیح یوں کی گئی:

☆ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ط وَ لَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ (۱۲:۱۱۰)

یہاں تک کہ جب پیغمبر (اپنی نافرمان قوموں سے) مایوس ہو گئے اور ان منکر قوموں نے گمان کر لیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے (یعنی ان پر کوئی عذاب نہیں آئے گا) تو ان رسولوں کو ہماری مدد آ پہنچی پھر ہم نے جسے چاہا

(اسے) نجات بخش دی، اور ہمارا عذاب مجرم قوم سے پھیرا نہیں جاتاo

☆ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ط مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ o (۱۲:۱۱۱)

بے شک ان کے قصوں میں سمجھداروں کے لیے عبرت ہے، یہ (قرآن) ایسا کلام نہیں جو گھڑ لیا جائے بلکہ (یہ تو) ان (آسمانی کتابوں) کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے، اس قوم کے لیے جو ایمان لے آئےo

اہل حق کا اپنے مخالفین اور معاشرے کی باطل قوتوں سے رابطہ کار کس نوعیت کا ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

☆ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ط وَ مَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ط اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ o (۱۱:۸۸)

شعیب (علیہ السلام) نے کہا: اے میری قوم! ذرا بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی بارگاہ سے عمدہ رزق (بھی) عطا فرمایا (تو پھر حق کی تبلیغ کیوں نہ کروں؟)، اور میں یہ (بھی) نہیں چاہتا کہ تمہارے پیچھے لگ کر (حق کے خلاف) خود وہی کچھ کرنے لگوں جس سے میں تمہیں منع کر رہا ہوں، میں تو جہاں تک مجھ سے ہوسکتا ہے (تمہاری) اصلاح ہی چاہتا ہوں، اور میری توفیق اللہ ہی (کی مدد) سے ہے، میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوںo

انفرادی سطح پر کردار کی تبدیلی کے کیا لوازمات ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

☆ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى (۲۰:۱۳۰)

پس آپ ان کی (دل آزار) باتوں پر صبر فرمایا کریں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کریں طلوع آفتاب سے پہلے (نمازِ فجر میں) اور اس کے غروب سے قبل (نمازِ عصر میں) اور رات کی ابتدائی ساعتوں میں (یعنی مغرب اور عشاء میں) بھی تسبیح کیا کریں اور دن کے کناروں پر بھی (نمازِ ظہر میں جب دن کا نصفِ اوّل ختم اور نصفِ ثانی شروع ہوتا ہے، (اے حبیبِ مکرّم! یہ سب کچھ اس لیے ہے) تاکہ آپ راضی ہو جائیںo

☆ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ط وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى (۲۰:۱۳۱)

اور آپ دنیوی زندگی میں زیب و آرائش کی ان چیزوں کی طرف حیرت و تعجب کی نگاہ نہ فرمائیں جو ہم نے (کافر دنیاداروں کے) بعض طبقات کو (عارضی) لطف اندوزی کے لیے دے رکھی ہیں تاکہ ہم ان (ہی چیزوں) میں ان کے لیے فتنہ پیدا کر دیں، اور آپ کے رب کی (اخروی) عطا بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہےo

دورِ حاضر میں قرآن کی تعبیر و تشریح شیخ الاسلام کی نظر میں

دورِ حاضر میں قرآن حکیم کی تعبیر و تشریح کے تقاضے وہی شخصیت پورے کر سکتی ہے جسے اس امر کا شعور ہو کہ اسلام کے غلبے کے زمانے اور دورِ زوال میں فہم دین کے باب میں کیا امتیاز اور فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری فرماتے ہیں:

''معمول بہ دین دراصل شریعت، طریقت اور مسالک کا نام ہے۔ شریعت احکام سے بحث کرتی ہے۔ طریقت اخلاص و ریاضت سے اور مسالک عقائد سے۔ ان کی بنیاد پر فقہ' تصوف اور علم کلام کی تدوین ہوئی۔ یہ سب تعبیر نص کے مختلف دائرے تھے اور ان کا کام اپنے اپنے دائرہ کار میں صرف ان اقدار و فضائل کو محفوظ کرنا اور فروغ دینا تھا جو معیاری دین کی جدوجہد سے بذریعہ انقلاب پہلے وجود میں آ چکے تھے چنانچہ یہ تعبیری علوم اور معمول بہ دین کے مختلف شعبے معاشرے میں بالفصل موجود فضائل کو محفوظ تو کر سکتے تھے لیکن مٹ کر ختم شدہ اقدار کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہ ان کا کام ہی یہ نہ تھا۔ مٹی ہوئی معاشرتی اقدار اور ختم شدہ انسانی فضائل کو تعبیری علوم کے حوالے سے نہیں براہ راست نصوص کتاب و سنت کی ہدایت سے زندہ کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا جب تک تاریخ اسلام میں اسلام کا سیاسی غلبہ بحال رہا اور اقدار و فضائل حیات کسی نہ کسی صورت میں زندہ رہے۔ اس وقت تک شریعت' طریقت اور مسالک کے علوم و فنون بھی اپنا اپنا فریضہ موثر طور پر انجام دیتے رہے۔ وہ معاشرہ میں ظاہری و باطنی طور پر نظم و ضبط انقیاد پیدا کرتے رہے۔ لیکن جب سیاسی غلبہ اسلام کے ہاتھ سے چھن گیا اور محکومی و غلامی کے باعث مسلم سوسائٹی اسلامی فضائل و اقدار سے محروم ہوگئی تو ان شعبوں کا عمل بھی مختل اور غیر موثر ہوگیا۔ اور ان کا کوئی اثر (Impact) معاشرے کی عملی زندگی پر باقی نہ رہا۔''

یہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ہمہ گیر اپروچ، اجتہادی بصیرت اور احیائی اندازِ نظر ہے کہ دورِ حاضر میں جبکہ مسلم دنیا میں علوم کے لگے بندھے راستوں پر چلنا ہی کمال قرار دیا جا رہا ہے، آپ نے قرآن حکیم کی تفسیر کے باب میں وہ زاویہ نگاہ دیا جو آج ہمیں قرآن حکیم سے اخذ ہدایت کا وہ منہج عطا کرتا ہے جس میں دورِ حاضر کی جملہ چیلنجوں کا جواب مضمر ہے، اور یہ زاویہ نگاہ صرف آپ کا ہی طرہ امتیاز ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''تعبیر نص پر مبنی علوم و فنون جس قدر بھی ترقی کر جائیں اور ان میں جتنا بھی اجتہاد ہو، اب مسلمانوں کو زوال و انحطاط کی موجودہ کیفیت سے باہر نہیں نکال سکتے۔ اس لیے اب پھر سے ختم شدہ اقدار و فضائل کو زندہ کرنے کے لیے ایک ہمہ گیر انقلاب کی ضرورت ہے جو صرف کتاب و سنت کی نص پر مبنی ہدایت ہی سے بپا کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد تعبیری علوم اپنا کردار اور اعتماد بحال کرا سکیں گے۔''

نابغۂ عصر شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

دبستانِ خطابت

حافظ شکیل احمد طاہر

چرخ کہنہ سال نے کیسے خطابت کے شہسوار دیکھے۔۔۔ بزم گیتی نے کیسے کیسے نطق و گویائی کی درِ تابدار دیکھے۔۔۔ ''علمه البیان''، شرف تکلم و گویائی اور شرف خطابت سے بہرہ ور کیا۔۔۔ ''اِنَّ شُعَیْبًا کَانَ خَطِیْبُ الْاَنْبِیَآءِ'' نے خطابت شعیب کو آفاقی استعارہ بنادیا۔۔۔ ''فصل الخطاب'' نے خطابت کو فن عظیم بنادیا۔۔۔ ''عیال اللہ'' کی ہدایت فراہمی کے لئے طبقہ اولین، انبیاء و مرسلین کو نطق ہائے بہترین عطا کئے گئے۔۔۔ انہیں انداز ہائے خطابت نے کنز کے ہمالہ بلا دیئے اور خوف و رجا کے چشمے بہا دیئے۔۔۔ حضور خواجہ کائنات ﷺ دنیا کی شب تاریک کو صبح نور سے بدلنے کو تشریف لائے۔ آپ ﷺ افصح العرب والعجم، خطیب اولین و آخرین ہوئے۔ حضور ساقی کونین ﷺ کے قدمین شریفین چوم کے خطابت محترم ہوئی۔ فکر و اسلوب کے عجیب تغیرات رونما ہوئے۔۔۔ خطابت و گویائی کی خیرات دامان مصطفیٰ کریم ﷺ سے بٹ رہی ہے۔ مسلم خطبا نے تاریخ خطابت عالم میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ کہیں ملاحتِ صدیقی نے دلوں کو مسخر کردیا تو کہیں جلالتِ فاروقی سے دل کانپ کانپ جاتے۔۔۔ حکمتِ عثمانی گوہر فشاں ہے تو کہیں نطق علوی حقائق کی نقاب کشائی کرتی ہے۔۔۔ کہیں سیدی غوث الوریٰ کی لسان حامل فیضان دلوں کے زنگ دور کرتی ہے۔ الغرض اگر ہم آج کے دور کی طرف نگاہ دوڑائیں تو یہ چیز اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ کیسے کیسے شعلہ نوا، دل فروز، سخن شناس، فکر پرور زبان دان ہستیاں آئیں لیکن کاشانہ فریدالدین میں آنکھ کھولنے والی عہد ساز ہستی نے خطابت کی نئی تاریخ مرتب کی۔۔۔ اک نیا عہد خطابت رقم فرمایا۔۔۔ سرکار ابد قرار ﷺ نے اس کے سینے کو گنجینہ علوم و معارف بنادیا۔۔۔ نطق و گویائی کا شہر یار بنادیا۔۔۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے فن خطابت کو ہمدوش ثریا کردیا۔۔۔ صغرسنی سے زبان گوہر بار نے موتی لٹانا شروع کردیئے۔ ایک ایسی آواز دلنواز جس نے دل موہ لئے۔ آج ان کا غلغلہ چہار سو میں سنا جارہا ہے۔ جن سماعتوں سے یہ صدائے دلپذیر ٹکرائی وہ انکا ہوگیا۔۔۔ جو ان کے حلقہ خطابت میں آیا وہ ان کا مستقل سامع بن گیا۔ بے شک ڈاکٹر طاہر القادری اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا کی عہد حاضر میں عملی تفسیر ہیں۔ نابغہ عصر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے علم و ادب کے ہر گوشے کو گراں بہا جواہر سے بہرہ ور کیا۔ (Multi Dymentiona) کثیر الاوصاف، کثیر الجہات شخصیت کے ہر گوشے کا احاطہ اک جدا گانہ توجہ کا طالب ہے۔ آپ نے خطابت کے شعبہ کو ہمہ جہت ہمہ رخ، ہمہ پہلو متاثر کیا۔ لازوال تغیرات کئے۔ گراں قیمت اضافات کئے۔ آپ کے ادبی محاسن، علمی محاسن، فکری محاسن، فنی محاسن، تاریخی خصائص

> **ڈاکٹر محمد طاہر القادری خطابت کی ایک طرزِ نو کے موجد و خاتم ہیں**

Scanned with CamScanner

الگ الگ موضوعات ہیں۔ آپ مصلح اسالیب قدیم بھی اور موجد اسالیب بھی ہیں۔ تعصبات کو بالائے طاق رکھیں تو بلامبالغہ آپ ''دبستان خطابت'' ہیں۔

آپ کی ذات کے اندر خطابت کے حوالے سے درج ذیل تفردات نہایت اہمیت کے حامل ہیں:

خطیبانہ تفرّدات

۱۔ موضوعاتی تنوع	۲۔ کمال نظم	۳۔ ادیبانہ حسن
۴۔ صوتی آہنگ	۵۔ ابلاغ عام	۶۔ عنصر تخلیقیت
۷۔ تحقیقی اور تخریجی مزاج	۸۔ عدم رکاکت وابتذال	

۱۔ موضوعاتی تنوع

موضوعاتی تنوع آپ کے خطیبانہ اوصاف ومحاسن میں ایک امتیازی اور تخصیصی پہلو ہے۔ آپ وہ خطہ خطابت ہیں جس میں ہر موسم، ہر رت کی آمد ہے۔۔۔ موضوعاتی تنوع مطلع خطابت پہ رنگِ قوس وقزح پیدا کرتا ہے۔۔۔ موضوعاتی تنوع نے وسیع حلقہ سامعین پیدا ہوا۔۔۔ موضوعاتی تنوع آپ کے وسیع المطالعہ، وسیع الذوق ہونے پہ دلالت کرتا ہے۔۔۔ موضوعاتی تنوع قدیم اور جدید کا حسین سنگم ہے۔۔۔ قرآنیات، تفسیریات، اصولیات، شرحیات حدیث، اعتقادیات، الٰہیات، اخلاقیات، فقہیات، روحانیات، تعلیمات، تاریخیات، فلکیات، قانونیات، عصریات آپ کے دائرہ خطابت میں ہے۔۔۔ موضوعاتی تنوع موضوعاتی وسعت کا اظہار ہے۔۔۔ جس گوشہ علم پہ لب کشا ہوئے اک بحرِ مواج نظر آئے۔۔۔ جس پہلوئے علم پہ لب کشا ہوئے اہل فکروفن کو انگشت بدنداں کردیا۔۔۔ یوں لگتا ہے کہ ''جا ایں جا''۔۔۔ یہ موضوعاتی تنوع خطیبانہ تفرّد ہے۔ اک ایسا بحرِ خطابت کہ ہر متلاشی کی طلب پوری ہو۔۔۔ ایک فرد واحد کے لئے ان تمام موضوعات پہ یکساں مہارت کے ساتھ لب کھولنا از بس مشکل ہے۔ علوم وفنون پہ درک کمال کے بغیر ایک رسمی اور سطحی گفتگو تو کی جاسکتی ہے لیکن اس علم وفن کے ماہرین کو ورطہ حیرت میں گم نہیں کیا جاسکتا۔ حضور نبی رحمت ﷺ کی نظر رحمت کا اثر ہے کہ ایک عالم کو گوناگوں علوم ومعارف سے بہرہ ور کیا۔ ہر گوشہ علم اک تابدار موتی ہے جس کی چمک ودمک دل کی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اور بے ساختہ زبان پہ کلمہ داد وتحسین جاری ہوجاتا ہے۔

۲۔ کمال نظم

تاریخ خطابت کا عمیق نظری سے مطالعہ کریں تو ربط ونظم کا فقدان ہے۔ خطباء وواعظین کے ہاں خال خال ہی ربط ونظم پایا جاتا ہے بعض اوقات تو جلد سانس پھول جاتا ہے اور ربط ٹوٹ جاتا ہے۔ نابغہ عصر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے ہاں نہ صرف نظم موجود ہے بلکہ کمال نظم موجود ہے۔۔۔ نہ صرف ربط ہے بلکہ کمال ربط ہے۔ گفتگو خواہ طویل، متوسط یا مختصر لیکن ربط ونظم عدیم النظیر ہے۔ یہ نظمِ تکلم، نظمِ شخصیت کا غماز ہے۔۔۔ نظمِ کمال، درکِ کمال کے بغیر ممکن نہیں۔۔۔ یہ کمال ربط ونظم آپ کو خطابت کی تاریخ میں ممتاز کرتا ہے۔ نظم میں اک حسن تدریج پایا جاتا ہے کہ سامع خود کو زینہ بازینہ علم وفکر کے بام پہ چڑھتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ نظمِ کمال میں سہل سے دقیق کی جانب سفر ہے۔۔۔ ایک مبتدی، دقائق علم کو انگلیوں کے پوروں پہ یوں گنوادیتا ہے کہ کوئی گوشہ نہ تشنہ لب رہتا ہے نہ عدم وضاحت کا شکار ہوتا ہے۔۔۔ نہ خلط مبحث ہوتا ہے نہ انتشار فکر کا شکار ہوتا ہے۔۔۔ ہر بات موتی کی لڑی کی طرح ہے۔ ہر چند کے جملہ ہائے معترضہ ملتے ہیں لیکن ایسے

معترضہ کہ معترض بھی معترض نہ رہے بلکہ ان کو جملہ ہائے معترضہ کی جگہ جملہ ہائے معترفہ کہا جائے تو موزوں ہوگا بلکہ یہ جملہ ہائے معترضہ تسبیح میں امام دانہ کی طرح ہے۔ تدریجی نظم قرطاسِ ذہن پہ ان مٹ نقوش ثبت کرتا ہے۔

۳۔ ادیبانہ حسن

''دبستان خطابت طاہر'' کے امتیازی اور تخصیصی پہلوؤں میں ایک لائق صد آفرین پہلو ادیبانہ حسن کا ہے۔ ادیبانہ پہلوؤں کا جائزہ دفتروں کے دفتروں کا طالب ہے۔ لفظوں کے انتخاب میں ادبیت اور علمیت کا خوبصورت امتزاج ہے۔ لفظوں کی تراش خراش پر مرصع کاری کا گماں ہوتا ہے۔ فارسی، عربی تراکیب کا گراں بہا ذخیرہ موجود ہے۔ تراکیب میں موزونیت اور مطابقت کمال کا پہلو ہے۔ وسیع ذخیرہ لفظیات کا کیا کہنا کہ لگتا ہے کہ اس جہان خطابت کے حضور لفظ ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ وضع تراکیب کا ملکہ کمال ہے۔ کارخانہ ذہن کی ادیبانہ خوبی تراکیب پہ ٹکسال کا گماں ہوتا ہے کہ مطابقِ واقعہ، تراکیب از خود منظر ذہن پہ آرہی ہیں۔ نوک زباں سے ادا ہورہی ہیں۔ زبان سے ادا ہونے والے جملے اپنے دامن میں اک نغمگی اور ترنم کو سموئے ہوئے ہیں۔ نشست الفاظ پہ انگوٹھی پہ نگوں کا گماں ہوتا ہے۔ استعارات اور تشبیات روشن ستاروں کی طرح ہیں۔ منظر نگاری میں یوں لگتا ہے کہ جیسے ہم اس عہد کے باسی ہوں۔ کفایت لفظی میں اختصار وایجاز کا حسن ہے۔ رفعت تخیل کہکشاؤں کے ہمدوش محسوس ہوتی ہے۔ لفظی اور معنوی صنعتیں گل ہائے رنگا رنگ کی طرح ہیں۔ وضع اصطلاحات میں علمیت اور ادبیت ہم آہنگ ہیں۔

۴۔ صوتی آہنگ

لہجات کا تنوع اور رنگا رنگی مسحور کن ہے۔ بدلتے ہوئے صوتی آہنگ ہمیں آپ کا گرویدہ کردیتے ہیں۔ علمی موضوعات میں اک صوتی وجاہت کا تاثر ہے۔ فکری موضوعات میں مدھر (دھیما) انداز تکلم ہے جو دھیرے دھیرے فکر کے دریچے وا کرتا ہے۔ اصلاحی موضوعات میں ہلکی بارش کا گماں ہوتا ہے جو زمینِ دل کو چیر رہی ہے۔ کہیں بادلوں کی گھن گرج ہے۔۔۔ کہیں اشاروں کی روانی ہے۔۔۔ کہیں صحراؤں کی وسعت ہے۔۔۔ کہیں خزاں کی حسرت ہے۔۔۔ کہیں بانگِ سرافیل ہے۔۔۔ کہیں نغمہ جبرائیل ہے۔۔۔ کہیں ماں کی لوری ہے۔۔۔ کہیں جراح کا نشتر ہے۔۔۔ کہیں کونج کی بچھڑن ہے۔۔۔ کہیں آواز کا زیروبم دلوں کے رباب کو ہلاتا ہے۔۔۔ کہیں لہجات کا تنوع دلوں کو لبھاتا ہے۔

۵۔ ابلاغ عام

تاریخ خطابت کے اوراق شاہد ہیں کہ ہزاروں خطباء واعظین وہ ہوئے جن کا پیغام چند ذہنوں تک منتقل ہوسکا۔ عدم ابلاغ خطابت کا سقم ہے۔ ان کا رعبِ علمی ابلاغ عام کے راستہ میں حائل ہوا، ان کی دقیق گوئی آڑے آئی، ان کی پر پیچ گفتگو راہ نہ پاسکی۔ ہر چند نابغہ عصر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری علم وفکر کا ہمالہ ہیں۔ مطالعہ وتحقیق کا بحر مواج ہیں، مگر آپ کے فکر و پیغام سے عوام وخواص یکساں بہرہ مند ہورہے ہیں۔ سرکار ابد قرار ﷺ نے زبان طاہر کو وہ قدرت بخشی کہ موضوع خواہ کتنا ادق، پیچیدہ اور مشکل ہو لیکن اس کا ابلاغ تام فرماتے ہیں۔ پیرائیہ اظہار ایسا دلکش، دلنشیں ہے ہر دل پہ مرتسم ہوجاتا ہے۔ یہ کمال خطابت ہے کہ ان کا ابلاغ موثر ہورہا ہے۔ ہر سطح علم، ہر سطح فہم کے تقاضے پورے ہورہے ہیں۔ شاید اس کی اک وجہ یہ ہے کہ

بر دل خیزد بر دل ریزد
''بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے''

Scanned with CamScanner

آپ کا وجود مبارک وہ بحر ناپیدا کنار ہے کہ جس کے کنارے بیٹھنے والا شخص حسب ظرف حصہ پاتا ہے۔

۶۔ عنصر تخلیقیت

تخلیقی کام ہر اک کا حصہ نہیں، اکثریت تقلیدی روش پہ زندگیاں گزار دیتی ہے۔ ساقی کوثر والی بطحا ﷺ نے آپ کو بلند درجہ تخلیقی جواہر سے بہرہ مند فرمایا۔ ''جس سمت آ گئے سکے بٹھا دیئے''۔ تخلیقی کام خارہ شاگانی سے کم نہیں ہے۔ آپ کی اختراعی طبع نئی راہوں کی متلاشی رہی۔ ہر علم وفن میں آپ نے بلند درجہ تخلیقی اضافات فرمائے۔ تخلیقی جواہر کا مظاہرہ اسلوبیاتی تخلیقیت اور موضوعاتی تخلیقیت دونوں صورتوں میں موجود ہے۔ اسلوب میں لگے ہوئے قفل کو آپ نے کھولا ہے۔ نئے نئے آہنگ، نئے نئے اسالیب متعارف کروائے۔ قدیم اور جدید کا خوبصورت امتزاج ہے۔ ''الفضل اشھدت بہ الاعداء'' ہر ایک کی زبان پہ کلمہ اعتراف سنا ہے۔ موضوعاتی تخلیقیت میں آپ نے نئے نئے موضوعات پہ اظہار خیال فرمایا جو ورطہ حیرت میں ڈالتا ہے۔ ایسے اچھوتے اور حیرت انگیز عنوانات کہ داد و تحسین دیئے بغیر کوئی گذر نہیں سکتا۔ کمالِ تخلیقیتِ موضوعاتی یہ ہے کہ تکرار آپ کے ذخیرہ خطابت میں ملتا ہی نہیں۔ اگر ملتا ہے تو شاذ کالمعدوم ہے۔ جب لب کھلے نئے گوشوں کو وا کر گئے۔۔۔ جب زبان گوہر فشاں کھلی تو نئے معانی و مطالب کے موتی صفحہ دل پہ بکھر گئے۔ تکرارِ محض جو ہماری روایت خطابت کا سقم ہے اس کا گذر بھی آپ کے پاس سے نہ ہوا۔ اس قدر تخلیقی جواہر کا حامل ''باز آید کے نا آید'' کا مصداق ہے۔ آپ نے جمودِ فکری کو توڑا ہے یہی وجہ کہ شائقین کشاں کشاں حاضر مجلس ہو رہے ہیں، زبان گوہر بار کھلتی ہے تو موتیوں کی پھوار برسنے لگتی ہے۔

۷۔ تحقیقی اور تخریجی مزاج

بولنا اگر جوئے شیر لانا ہے تو محقق بولنا (معیار تحقیق) مخرّج بولنا ستارے توڑ لانا ہے۔ ''دبستان خطابت طاہر'' کا ایک بلند ترین گوشہ تخریجی اور تحقیقی مزاج ہے۔ کوئی ایسی بات نوک زباں پہ آتی ہی نہیں جو معیاری تحقیق پہ پوری نہ ہو۔۔۔ اور کچھ کہا نہیں جس کے حوالہ جات ارشاد نہ فرمائے ہوں۔ آپ کے ہر طرز و اسلوب خطابت میں تحقیقی اور تخریجی مزاج نمایاں ہے۔ دلائل وشواہد کو تخریج اور تحقیق قوی تر کر دیتی ہے۔ آپ کے ہاں محض تحقیق نہیں بلند معیار تحقیق ہے۔۔۔ محض تقلید نہیں بلکہ تحقیق میں نئے حوالہ جات، نئے گوشے منظر عام پہ آتے ہیں۔۔۔ محض تخریج نہیں بلکہ تخریجِ تام ہے۔

۸۔ عدم رکاکت وابتذال

آپ کی زبانِ قلم ہو یا زبانِ خطابت، 25 سالہ عہد خطابت میں ایک لفظ کبھی رکیک، غیر شائستہ، متبذل نہیں مل سکے گا۔ میں نے لفظ لفظ سنا ہے علی وجہ البصیرت کہتا ہوں، علی وجہ البصیرت، علی روش الاشہاد کہتا ہوں، کمال درجے کی شائستگی اور شستگی ہے۔ بڑے بڑے شہسوار جب گرتے ہیں تو رکاکت و ابتذال کا ان کو احساس تک نہیں ہوتا۔ فروتر از ادب گفتگو کو وہ روا روی قرار دیتے ہیں۔ کوثر و تسنیم میں دھلے ہوئے لفظ ہیں۔۔۔ ہاں اگر ردو ابطال بھی کیا تو خوب شائستگی کے ساتھ اور یہ آپ کا خاصۂ خطابت ہے۔ ابتذال اور رکاکت کا گزر بھی آپ کے پاس سے نہ ہوا۔

تاریخِ سیرت میں

"سیرۃ الرسول ﷺ" کا امتیازی مقام

محمد ممتاز اعوان

تاریخ، واقعات ماسبق کا بیان ہے جس کے قابل اعتماد ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ واقعہ کے مطابق ہو اور Axiological نقطہ نگاہ سے سازگار ہو۔ تاریخ قوموں اور تہذیبوں کے عروج و زوال کی توجیہ کا نام ہے۔ (منہاج القرآن از ڈاکٹر فاروقی)

مگر تاریخ بکھرے ہوئے چند واقعات کا مجموعہ بھی نہیں اور نہ ہی چند بڑے آدمیوں کی سوانح حیات ہے بلکہ تاریخ وسیع معنوں میں انسانوں کی مادی کشمکش کا مرقع ہے۔ تاریخ مجموعی طور پر کہیں عوام و خواص کی جنگ کی شکل میں۔۔۔ کہیں سرمایہ دار و مزدور، حاکم و محکوم کے حقوق کے تعین کی صورت میں۔۔۔ اور کہیں چند ایسے ہمہ صفت و ہمہ جہت انسانوں کے اعلیٰ کردار، معاملہ فہمی، فرض شناسی کو نمایاں کرتی نظر آتی ہے جن کے عزم و حوصلہ اور بروقت قوت فیصلہ کی وجہ سے حق کامیاب اور باطل شکست سے دوچار ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم و تحقیق کے میدان میں انسانی تہذیب کے ابتدائی آثار سے لیکر آج کے ترقیاتی مسائل فلسفہ تک دنیائے انسانیت تحقیق کے سہارے ہی آگے بڑھی ہے۔ مذہب کا مطالعہ اور عقیدوں کا تضاد بھی تحقیق طلب ہے اور خصوصاً فی زمانہ اس کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مفروضات اور اشتہابات سے پہلوتہی کر کے تدبر اور تفکر سے غیر جانبدارانہ محاکمہ کیا جائے۔

تاریخ اور مطالعہ مذہب کے باب میں دنیائے انسانیت مسلمانوں کے اس کارہائے نمایاں کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے جس میں کسی مذہب کے پیروکاروں نے اپنی مقدس شخصیات یا ہمہ صفت اکابرین کے مشاغل روز و شب کی حفاظت اس طرح کی ہو جس طرح مسلمانوں نے اپنے پیغمبر ﷺ کی ذات بلکہ ان سے معمولی تعلق رکھنے والی شخصیات کے مشاغل روز و شب کو بھی محفوظ رکھا وہ تمام لوگ جو آپ ﷺ کے افعال و اقوال، ضروریات زندگی کی اشیاء، تحریر و تدوین کے فرائض سرانجام دیتے تھے ان تمام کے اسماء اور افعال تک اسلام کی تاریخ کے اندر محفوظ ہیں حتی کہ راویان حدیث، ان تمام لوگوں کے نام، تاریخ، زندگی، اخلاق، عادات، تعلیم و تعلم، تلامذہ و اساتذہ کے ذکر کو بھی کمال دیانتداری کے ساتھ احاطہ تحریر میں لائے جن کی تعداد لاکھوں تک جا پہنچتی ہے۔ ان سب کے مجموعہ احوال کو "اسماء الرجال" کہتے ہیں۔

جرمن ڈاکٹر اسپرنگر مسلمانوں کے اس عظیم الشان کارنامے کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ "کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری، نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ

لاکھ شخصیات کا حال معلوم ہوسکتا ہے"۔

غلط فہمیاں اور افواہیں پھیلا کر دین حق کی شمع بجھادینے کی فکر خام رکھنے والوں نے عموماً یہ مشہور کررکھا ہے کہ اسلام میں لکھنے لکھانے کا کام تابعین نے آقا ﷺ کے وصال مبارک کے 100 سال بعد شروع کیا۔ اس پراپیگنڈہ کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں۔

تاریخ مسلمانوں کے اس نمایاں کارنامے کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ کسی اور قوم نے اپنی مذہبی شخصیات یا اکابرین کے مشاغل شب و روز کو اس طرح محفوظ رکھا ہو جس طرح مسلمانوں نے رکھا ہے

درج ذیل سطور میں ہم قارئین کو مختصراً بتانے کی کوشش کریں گے کہ اس کام کا آغاز عہد نبوی ﷺ میں صحابہ کرامؓ کے ذریعے ہوچکا تھا۔ بعد ازاں صحابہ کرامؓ ہی کی زندگیوں میں تابعین نے دور دراز کے مشکل ترین سفر کر کے تحقیق و تدوین کی غرض سے ان واقعات، حالات اور روایات کو ایک ایک کے دروازے پر جا کر متعلقہ لوگوں سے اس بارے تصدیق کروانے کے بعد ہمیں فراہم کردیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ" عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو یاد نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ سے جو کچھ سنتے لکھتے جاتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا" (بخاری باب کتابۃ العلم) سنن ابوداؤد اور مسند ابن حنبل میں ہے کہ بعض لوگوں نے عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور ﷺ کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے تو کبھی خوش اور تم سب کچھ لکھ لیتے ہو۔ عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا آقا ﷺ کو معلوم ہوا؟ آپ ﷺ نے اپنے دہن مبارکہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تم لکھ لیا کرو اس سے جو نکلتا ہے حق نکلتا ہے (ابوداؤد) عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس مجموعے کا نام صادقہ رکھا تھا (ابن سعد جلد دوئم) اور کہا کرتے تھے کہ میرے اندر زندگی کی آرزو صرف دو چیزوں نے پیدا کردی ہے جن میں سے ایک صادقہ ہے اور صادقہ وہ صحیفہ جو میں نے رسول ﷺ سے سن کر لکھا ہے (دارمی)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صحیفہ تھا جو ان کی تلوار کی نیام میں پڑا رہتا تھا اس میں متعدد حدیثیں لکھی ہوئی تھیں انہوں نے لوگوں کی درخواست پر دکھایا (بخاری دوئم)

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے آپ ﷺ نے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو کیا دلایا ضحاک ابن ابوسفیان نے کھڑے ہو کر کہا مجھے معلوم ہے آقا ﷺ نے ہمیں لکھوا کر بھیجا تھا (دارقطنی نمبر۲)

مروان نے خطبہ میں بیان کیا مکہ حرم ہے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پکارا اور مدینہ بھی حرم ہے اور یہ حکم میرے پاس لکھا ہوا موجود ہے اگر تم چاہو تو میں اس کو پڑھ کر سناؤں۔ (ابن حنبل ج ۴)

اسی طرح سیرت محمدی ﷺ کے ضمن میں خلفائے اسلام، اسلاف محدثین نے قناعت نہیں کی بلکہ مساجد میں اس فن کے بڑے بڑے اماموں کے لئے علیحدہ حلقے قائم کئے سیرت رسول ﷺ کے سبھی گوشوں پر کام صحابہ و تابعین نے شروع کئے۔ یہ سب ایسے کارہائے نمایاں ہیں جن کا اپنوں اور غیروں سب نے برملا اعتراف کیا۔ ایورنڈ باسورتھ اسمتھ نے 1874ء میں لیکچر دیئے جو بعد میں کتابی شکل میں چھپے اس نے کہا "ہم مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی، ان کے

ابتدائی احباب، ان کے ساتھ تعلقات، ان کے مشن کے طلوع یا بیک وقت ظہور کے متعلق کیا جانتے ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلا پن اور راز نہیں۔ ہم تاریخ رکھتے ہیں، ہم محمد ﷺ کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جتنا لیوتھر اور ملٹن کے متعلق

(Muhammad & Muhammdanism lecture in Royel Institution of great Britian)

پروفیسر D.S Margoliuth نے 1905ء میں Heros of the Nations سیرت پر ایک زہریلی کتاب لکھی جس کے مقدمہ میں اس حقیقت کو وہ بھی نہ چھپا سکا۔

The biographers of the Prophet Muhammad form a long series it is imposible to end but which would be honourable to find place.

سیرت نبوی ﷺ پر مسلمان اسکالرز نے لاکھوں کتابیں لکھیں اور لکھ رہے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں غلامان مصطفیٰ ﷺ نے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ سر سید احمد خان کے خطبات احمدیہ۔۔۔ مولانا حالی کے ''مولود نامے'' کے علاوہ ''معراج نامے''، ''شمائل نامے''، ''نورنامے'' تحریر ہوئے۔۔۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں جب علمائے اسلام کو کالے پانی کی سزائیں دی جا رہی تھیں عشق مصطفیٰ ﷺ کے اظہار کا سلسلہ تب بھی نہ تھم سکا۔۔۔ مفتی محمد عنایت کاکوری نے ایام اسیری میں سیرت پر بہترین کتاب ''تواریخ حبیب الہ ﷺ'' لکھی۔۔۔ برصغیر کے غیر مسلم بھی سیرت نگاری میں پیچھے نہ رہے۔ لکشمن پرشاد کی کتاب ''عرب کا چاند''۔۔۔ پنڈت سندر لال کی کتاب ''حضرت محمد اور اسلام''۔۔۔ شردھے پرکاش کی کتاب ''حضرت محمد صاحبؐ''۔۔۔ جے ایس دارا کی تصنیف ''رسول عربیؐ'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔۔۔ اسی دوران مسلم مفکرین کی تصانیف سیرت سامنے آئیں جنہیں عوامی سطح پر زبردست پذیرائی حاصل ہوئی۔۔۔ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی پانچ جلدوں پر مشتمل مشترکہ کتاب ''سیرۃ النبی ﷺ'' عوام و خواص میں مقبول ہوئی۔۔۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی ''نشتر الطیب''۔۔۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ''مقدس رسول ﷺ''۔۔۔ مولانا ادریس کاندھلوی کی ''سیرت المصطفیٰ ﷺ''۔۔۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی''۔۔۔ مفتی محمد شفیع کی ''آداب النبی ﷺ''۔۔۔ پیر کرم شاہ الازہری کی ''ضیاء النبی ﷺ''۔۔۔ حکیم سعید کی ''دانائے سبل''۔۔۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری کی ''رحیق المختوم'' نے سیرت نگاری کی تاریخ و روایت کو عالمانہ شان کے ساتھ آگے بڑھایا۔

20 ویں صدی کی آخری دہائیوں اور اکیسویں صدی کا آغاز عظیم الشان تجربات سے ہوا۔ جہاں Informations کا ہر سطح پر Explosion ہو رہا ہو۔۔۔ سرحدوں کے خاتمے کی باتیں ہو رہی ہوں۔۔۔ دل والے گلے مل رہے ہوں۔۔۔ جنگ کے شعلے دبا کر امن کی راہیں ہموار ہو رہی ہوں۔۔۔ نئی جستجو نے آسمان پر کمند ڈالی ہو۔۔۔ خلاؤں میں مستور سورج تلاش کیے جا رہے ہوں۔۔۔ دور جدید کا تعلیم

اس دورِ زوال، ذہنی پستی اور لبرل ازم کے ماحول میں اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہوئے عالمگیر سطح پر عشق مصطفیٰ ﷺ کا فروغ شیخ الاسلام ہی کا خاصہ ہے

یافتہ طبقہ روشن خیال بن چکا ہو۔۔۔ عشق و محبت رسول ﷺ کو محض مذہبی جنوں سے تعبیر کیا جا رہا ہو۔۔۔ نام نہاد روشن خیال، مغربی مفکرین کی دریوزہ گری تو گوارہ کرلی جائے مگر سیرت الرسول ﷺ کو بطور نمونہ، آقا ﷺ سے عشق و محبت پرانی باتیں، اندھی تقلید قرار پائے۔۔۔ نام نہاد دینی قوتیں مفادات کے حصول کے لئے شعوری یا لاشعوری طور پر ''مخالف کیمپ'' کا حصہ بن چکی ہوں۔۔۔ اس دور زوال اور ذہنی پستی کے ماحول میں اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہوئے عالمگیر سطح پر عشق و محبت رسول ﷺ کے نغمے الاپنا، فکر قرآن اور تعلیمات مصطفیٰ ﷺ کے ڈنکے بجانا ہر ایک کی بس کی بات نہیں ہے۔ قدرت نے یہ توفیق شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو عطا کی ہے۔ مذکورہ ذہنی انتشار اور مادہ پرستی کے دور جدید میں ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے احیائے اسلام اور ملت کی نشاۃ ثانیہ کا بیڑہ اٹھایا۔

آج سے 25 سال قبل تحریک منہاج القرآن کی بنیاد رکھی جس نے اس قلیل ترین مدت میں شرق تا غرب اسلام کی آفاقی تعلیمات کو از سر نو روشناس کرایا، جس کا اعتراف اپنوں نے ہی نہیں بیگانوں نے بھی کیا۔ ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ہر شعبہ زندگی کے متعلق لیکچر دیئے ایک ہزار سے زائد تصنیفات لکھیں۔ ان کی بے شمار تصنیفات میں ۱۴ جلدوں پر مشتمل سیرۃ الرسول ﷺ کی معرکۃ الارا کتاب ارباب علم و دانش کی نظر میں بیسویں صدی کا عظیم اجتہادی کارنامہ ہے۔ بیان کردہ پس منظر میں سیرت الرسول ﷺ کی اشاعت کا آغاز ہوا۔

سیرت کا اسلوب؟

سیرت کا اسلوب کیا ہونا چاہیئے؟ کیا فقط حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے فکری و عملی اور تعلیماتی و نظریاتی گوشوں کو اجاگر کرنے سے بیان سیرت کا حق ادا ہوجائے گا؟

اس کے جواب میں آپ رقمطراز ہیں ''میرے خیال میں اس بیان سیرت ﷺ سے مقصود کا نصف آخر پورا ہوتا ہے نصف اول ترک ہوجاتا ہے۔ یہ سب کچھ کرلینے کے باوجود حضور ﷺ کی ذات اقدس سے عشق و محبت کا والہانہ پن اور قلبی و روحی تعلق کی وارفتگی جس سے آنکھیں نمناک اور دل غمناک ہوں پیدا نہیں ہوسکتا (مقدمہ سیرت الرسول باب دوم ص ۶۸)

سیرت رسول ﷺ کی دیگر کتبِ سیر سے انفرادیت

سیرۃ الرسول ﷺ کی دوسری کتب سیرت سے ایک انفرادیت یہ ہے کہ سابقہ ارباب سیر نے آغاز ہی سیرت سے کیا ہے اس بات پر روشنی نہیں ڈالی کہ سیرت کیا ہے اور کیسے بنتی ہے؟ شیخ الاسلام کی سیرۃ الرسول ﷺ کا امتیازی مقام ہے کہ اس سلسلہ کی پہلی کتاب مقدمہ کے عوان سے ہے جس میں ایسے موضوعات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ آپ نے ''ابتدائیہ'' میں عشق رسول ﷺ کی اہمیت کو قرآن و حدیث اور سیرت کی روشنی میں اجاگر کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ سیرۃ الرسول ﷺ کے حوالے سے آپ نے ایک ایسا ہمہ جہت تصور متعارف کرایا ہے جو کہ بیک وقت نظروں اور عقلوں کو بھی مطمئن کرسکے اور دلوں اور روحوں کی بستی کو بھی سیراب کرسکے۔ آپ نے بعض سیرت نگاروں کی طرف سے سیرت مصطفیٰ ﷺ کے روحانی اور معجزانہ پہلوؤں سے انکار کو سیرت نگاروں کا المیہ کہہ کر اس کی مضبوط علمی گرفت کی ہے (مقدمہ جلد اول)

حضور ﷺ کی ذات اقدس سے قلبی محبت و وجدانی اتصال اور روحانی عشق کی نسبت پیدا کرنے کو تکمیل ایمان و عرفان اور ادائیگی تقاضائے دین کے لئے ضروری قرار دیا (ایضاً)

سیرت رسول ﷺ میں بیک وقت مسلم و غیر مسلم اسکالرز کی علمی گرفت

سیرت الرسول ﷺ میں جہاں آپ نے مغربی مفکرین کے پراپیگنڈہ کا مورخانہ بصیرت سے جائزہ لیا وہیں بعض واقعات میں مسلم اسکالرز کے نقطہ نظر کا شرح و بسط سے ذکر کیا۔ واقعہ غرانیق کو فسانہ غرانیق قرار دیا۔ مصری اسکالر محمد حسین ہیکل کے نقطہ نظر کا تذکرہ کرتے ہوئے اس من گھڑت واقعہ کو بے بلیاد آرا کے اغلاط نامے سے تعبیر کیا ہے۔ فسانہ غرانیق کو ذہنی الجھاؤ کی کرشمہ سازی قرار دیا اور لکھا کہ یہ سازش ایک بھیانک فتنے کا حرف آغاز ہے، اس لئے فسانہ غرانیق کو بیک جنبش قلمز د کر دینا نہ صرف ایمان کا بنیادی تقاضا ہے بلکہ فتنہ وشر کے جڑ سے اکھاڑ دینے کے بھی مترادف ہے (جلد پنجم)

اس طرح آپ نے حقائق وشواہد سے ثابت کیا ہے کہ ہجرت فرار نہیں قرار کا نام ہے لکھتے ہیں کہ ہتھیار ڈال کے بھاگنے والے دنیا کی امامت کی نہیں کیا کرتے اور نہ ہی ایک عظیم الشان تمدن کی بنیاد رکھا کرتے ہیں۔ (ایضاً)

سیرت الرسول ﷺ کی ہر ہر سطر ادبی شان لئے ہوئے ہے آپ کی یہ تصنیف آپ کے دلکش اسلوب، طرز استدلال اور علمی وجاہت کا مظہر ہے۔۔۔ الفاظ کا چناؤ آپ کی عالمانہ شان کا گواہ ہے۔۔۔ اہل محبت کی اضطراری کیفیات کو اپنے دل کی دھڑکنوں میں سمو کر قرطاس وقلم کے سپرد کیا گیا ہے۔۔۔ سیرۃ الرسول ﷺ کی دس جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر ارباب علم و دانش، عوام وخواص، اہل محبت وعقیدت کی علمی پیاس بجھانے کا سامان مہیا کر رہی ہیں۔
شیخ الاسلام سے زیادہ اس راز کو کون جانتا ہے کہ اس خزاں رسیدہ چمن میں بہاریں تب ہی جوبن پر آسکتی ہیں جب آج کے پریشان حال نوجوان اپنے سینے سے عشق ومحبت کے وہی تیر پھر پار کریں جن سے ابوبکرؓ وعمرؓ، بلالؓ وابوذرؓ نے اپنے دل چھلنی کئے تھے۔ صحابہؓ کی طرح یہ سوزش عشق نہ ہوگی تو معرکہ ہائے بدر وحنین بھی برپا نہ ہوسکیں گے اور نہ راتوں میں شب زندہ دار اپنے نالہ نیم شبی سے قدسیان فلک کو محو رشک کرسکیں گے۔ ❁❁❁❁❁❁❁❁

یہی ہے جو چراغ جادۂ قصرِ طریقت ہے
شعورِ آدمیت سے یہیں ہوتی ہے آگاہی

یہی تو مرکزِ احیائے آئینِ شریعت ہے
ٹھہرتے ہیں یہیں پر جادۂ توحید کے راہی

اپنے محبوب قائد، مجدد وقت، داعی اتحاد امت، سفیر امن

شیخ الاسلام
ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی

کو 56 ویں سالگرہ پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے
مبارک باد پیش کرتے ہیں

نیز ان پر مسرت و پر کیف لمحات کے موقع پر احیائے اسلام اور اصلاح احوال کیلئے کی جانے والی ان کی جملہ کاوشوں کو سلام پیش کرتے ہیں

منجانب: حافظ محمد عابد کاشمیری - خادم منہاج القرآن انٹرنیشنل ستاونگر ناروے